۴۸۶

اقبال

مؤلفہ

محمد حسین حسان

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اقبال

یعنی

حضرت علامہ مرحوم کی مختصر سوانح عمری اور کلام پر تبصرہ

مؤلفہ

محمد حسین خاں ایم اے۔ بی ٹی (علیگ)

ناشران

خورشید اینڈ برادرز نمبر ۱۰۹۹ فراش خانہ دہلی

(علی گڑھ پریس نئی سڑک دہلی)

قیمت ۱۲

اپنے

چاروں بیٹوں

کے نام

جن سے میری امیدیں وابستہ ہیں

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	صفحہ
۱	عرض مولف	۵
۲	خاندان	۷
۳	ولادت	۹
۴	تعلیم	۹
۵	مولانا میر حسن	۱۰
۶	مولوی میر حسن اور اقبال	۱۲
۷	حضرت علامہ لاہور میں	۱۴
۸	ملازمت	۱۵
۹	ذوق شعر	۱۵
۱۰	اعلیٰ تعلیم و سفر یورپ	۱۷
۱۱	یورپ سے واپسی کے بعد	۱۹
۱۲	خطاب	۱۹
۱۳	سیاسی زندگی	۲۰
۱۴	اسلام پر لکچر	۲۳
۱۵	بیماری	۲۴
۱۶	وفات	۲۵
۱۷	مزار	۲۶
۱۸	جنازہ	۲۶
۱۹	اکابرین کا اظہار افسوس	۲۷
۲۰	اولاد	۳۲

نمبر	مضمون	صفحہ
۲۱	اخلاق و عادات	۳۴
۲۲	اقبال خود اپنی نظر میں	۳۶
۲۳	تصانیف	۳۷
۲۴	درس خودی	۴۴
۲۵	نوجوانوں سے خطاب	۴۹
۲۶	تصوف	۵۴
۲۷	جذبہ آزادی	۵۶
۲۸	سرمایہ دار و مزدور	۵۸
۲۹	وطنیت و قومیت	۶۰
۳۰	تہذیب مغرب	۶۴
۳۱	سیاست فرنگ	۷۲
۳۲	خاتون مشرق	۷۶

۳۳ ماتم اقبال ۸۵ تا ۱۱۲

(جملہ حقوق محفوظ)

مولف

عرضِ مولّف

میں اٹھارہ انیس سال سے بہ حیثیت ایک مدرس مسلمان بچوں کی خدمت پر مامور ہوں اسی ضمن میں بچوں کے لئے مفید کتابیں لکھنا بھی میری عادتِ ثانیہ ہو گئی ہے چنانچہ گزشتہ آٹھ سال کے عرصہ میں تیس سے اوپر درسی و غیر درسی کتابیں شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں یہ مختصر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جسے میں نے نوجوان طلباء اور طالبات کے لئے ترتیب دیا ہے۔

حضرت علامہ مرحوم و مغفور کے کلام بلاغت نظام کی باریکیوں کو کا حقہ سمجھنے کی نہ مجھ میں قابلیت ہے نہ اس پر تبصرہ کرنے کی اہلیت۔ یہ ایک عقیدتمند کے افکار پریشاں ہیں جنہیں صفحہ قرطاس پر ترتیب دینے سے صرف یہ غرض ہے کہ نوجوانوں کو حضرت علامہ مرحوم کے کلام

کا مطالعہ کرنے اور ان کی تعلیمات سے فیض حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو جائے ۔ اگر نوجوانوں نے اپنی گوناگوں مصروفیتوں میں ان چند صفحات کے پڑھنے کا موقعہ نکال کر اس مفکر اعظم کی تعلیمات کی طرف رجوع کیا تو میں سمجھوں گا کہ میری محنت ٹھکانے لگی ۔ چنانچہ اس مقصد کو بدرجہ اتم حاصل کرنے اور کتاب کو عام فہم بنانے کی غرض سے حضرت علامہ کے اُردو کلام ہی کے نمونے پیش کئے گئے ہیں ۔

میں اِن سطور کو حضرت علامہ کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں جس میں انہوں نے مسلم نوجوان کو مخاطب کر کے فرمایا ہے ؎

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

دہلی اپریل ۱۹۳۹ء

محمد حسین

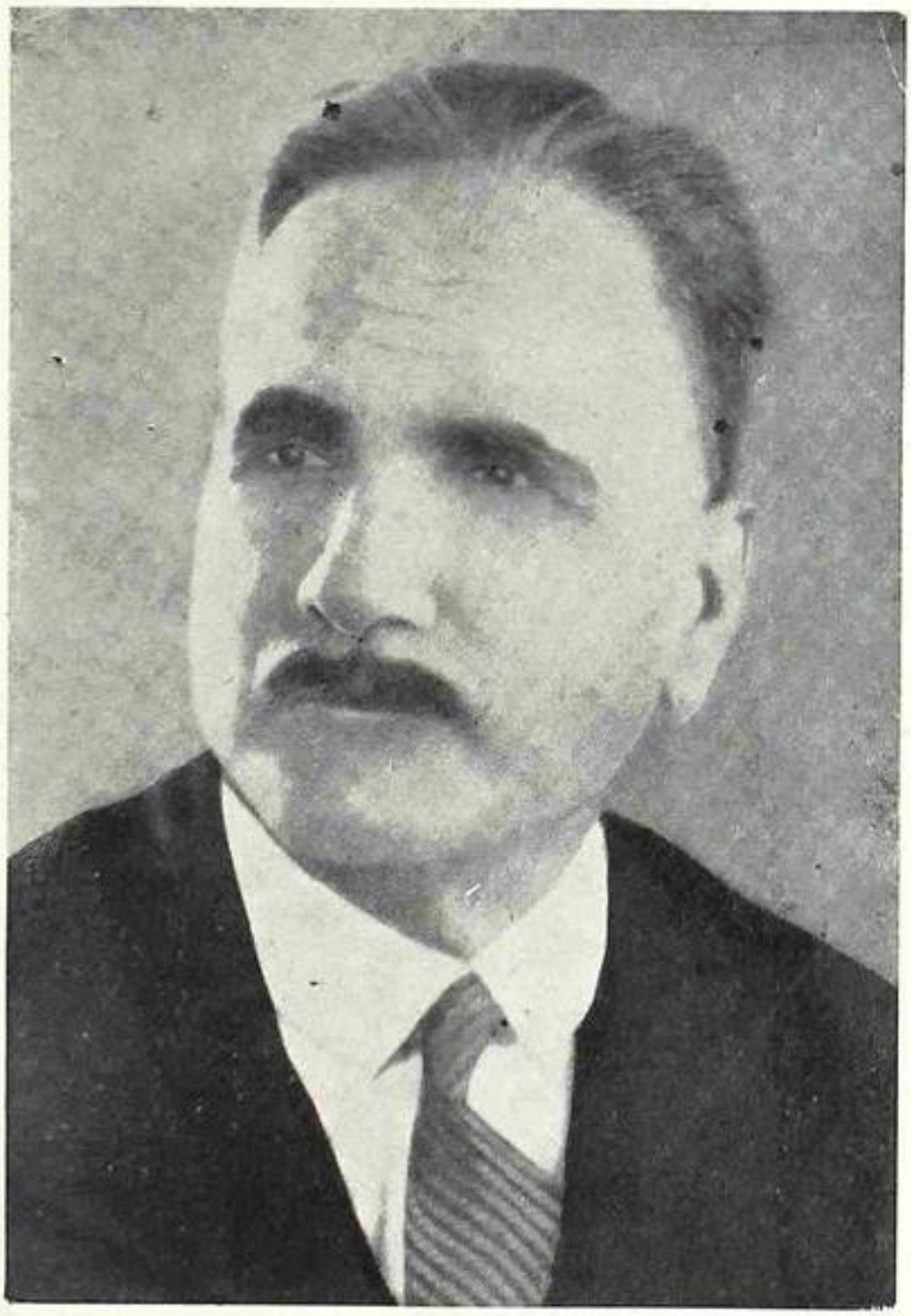

علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندان

حضرت علامہ کے بزرگ کشمیری پنڈت تھے۔ اور ان کی گوت "سپرو" تھی غالباً سب سے پہلے آپ کے دادا کے دادا نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس بنا پر یہ قیاس ہے کہ قریباً دو سو سال ہوئے کہ آپ کے بزرگ نور اسلام سے مشرف ہوئے۔ اور غالباً اسی زمانے میں انہوں نے سیالکوٹ کو اپنا وطن بنایا۔ حضرت علامہ نے اپنے اشعار میں اپنے آپ کو کہیں "برہمن پسر" اور کہیں "برہمن زادہ" کہا ہے

آپ کے والد بزرگوار بڑے متقی پرہیزگار اور صوفی منش بزرگ

تھے۔ روزہ نماز کے پابند تھے۔ حلال روزی کی فکر میں رہتے تھے۔ چنانچہ اسی لئے ملازمت چھوڑ کر ٹوپیوں کی دوکان کر لی تھی۔ حضرت علامہ نے "موز بیخودی" میں ایک واقعہ نظم کیا ہے کہ ایک مرتبہ ہمارے گھر کے دروازے پر ایک فقیر آیا اور اصرار کے ساتھ بھیک مانگنے لگا۔ مجھے غصہ آیا تو میں نے اُسے مارا۔ وہ جو کچھ بھیک مانگ کر لایا تھا۔ سب گر پڑا۔ والد نے یہ دیکھا تو بہت رنجیدہ ہوئے اور ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور فرمانے لگے کہ جب قیامت کے روز امت رسولؐ جمع ہوگی اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جواب طلب کریں گے تو میں کیا جواب دونگا۔ اس واقعہ سے حضرت علامہ کے والد ماجد کے حسن سیرت اور خوف خدا کا پتہ چلتا ہے۔

حضرت علامہ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پارسا اور متقی بی بی تھیں۔ ان کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ جب میرا بچپن کا زمانہ تھا تو والد صاحب ایک ایسے افسر کے ملازم تھے۔ جس پر رشوت لینے کا شبہ تھا۔ اگرچہ والد ماجد کی تنخواہ ہر شبہ سے پاک تھی لیکن والدہ ماجدہ اس تنخواہ کے روپیہ سے خریدی ہوئی کوئی چیز نہ کھاتی تھیں۔ تاکہ شیر خوار بچہ کے جسم میں کوئی مشتبہ غذا نہ پہنچے +

ولادت

ایسے عابد وزاہد متقی و پرہیز گار سچے و نیک ماں باپ کے گھر میں حضرت علامہ نے ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو جنم لیا۔

تعلیم

دستور کے مطابق حضرت علامہ کی تعلیم بھی مکتب ہی میں شروع ہوئی۔ کچھ دن بعد مدرسے میں داخل ہوئے۔ شروع ہی سے آپ نہایت ذہین تھے۔ پرائمری۔ مڈل اور ہائی اسکول کے امتحانات امتیاز کے ساتھ پاس کئے اور ہر امتحان میں سرکاری وظیفہ حاصل کیا۔ آپ کی ذہانت اور حاضر جوابی کا ایک دلچسپ واقعہ یہ ہے کہ آپ کی عمر دس بارہ سال کی ہوگی ایک روز اتفاق سے اسکول میں ذرا دیر سے پہنچے۔ استاد نے دیر سے آنے کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فوراً جواب دیا۔ "اقبال دیر سے ہی آتا ہے"۔ انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں داخل ہوئے۔

مولانا میر حسن

کالج میں حضرت علامہ کو خوش قسمتی سے سید میر حسن جیسے عالم اور جوہر شناس استاد مل گئے۔ مولانائے موصوف عربی و فارسی کے بے مثل عالم و فاضل اور اسلامیات کے شیدائی تھے۔ نہایت نیک اور پارسا بزرگ تھے۔ اور حضرت علامہ کے والد ماجد سے ان کی گہری دوستی تھی۔ یہاں مولانا میر حسن مرحوم کا مختصر تذکرہ ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حضرت علامہ کو قدرت نے دل و دماغ کی جو قوتیں فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی تھیں۔ ان کی نشو و نما اور جلا کا کام قدرت نے کیسے استاد کے سپرد کیا تھا۔ حقیقت میں مولانا میر حسن کی نگرانی نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔

مولانا سید میر حسن سیالکوٹ کے سادات میں پیدا ہوئے تھے سات سال کی عمر میں حافظِ قرآن ہوئے۔ پھر عربی و فارسی کی تعلیم حاصل کر کے سولہ سال کی عمر میں قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی خدمت شروع کر دی پھر مشن اسکول میں ملازمت کر لی مولوی صاحب کی تعلیم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ طالب علم کے دل میں علم کا صحیح

شوق اور جذبہ پیدا ہو جاتا تھا۔ جوہر شناسی مولانا کا خاص جوہر تھا۔
مولانا کو اپنے والدین کی ذات سے جو شغف تھا اس کا اندازہ لگائیے کہ
ماں باپ کی قبروں پر بلا ناغہ جانا ان کے لئے بمنزلہ فرائض کے تھا آندھی
جائے مینہ جائے۔ تڑاقے کی گرمی ہو یا کڑاکے جاڑا موسلا دھار بارش
ہو یا گھٹا ٹوپ آندھی مولانا کو کوئی چیز قبرستان جانے سے نہیں روک
سکتی تھی۔ یہ شغل ۳۳ سال تک جاری رہا۔ جب پلنگ سے اُٹھنے سے
معذور ہی ہو گئے تو یہ محبوب شغل چھوٹ گیا۔

اِن کے ذوق علمی کا ایک حیرت انگیز واقعہ ہے کہ کسی دوست
سے جرمنی کی چھپی ہوئی کتاب نجوم الفرقان عاریتاً مل گئی۔ قیمت زیادہ
ہونے کی وجہ سے خریدنا مشکل تھا چنانچہ چوبیس گھنٹے کے اندر ساری کتاب
نقل کر ڈالی۔ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ عمر ساٹھ سال سے
زیادہ ہو گئی تھی۔

پابندی مذہب کا یہ عالم تھا کہ ضعیفی کے باعث کمر دوہری ہو گئی
تھی لیکن شدت کی گرمی میں بھی رمضان المبارک کے روزے برابر
رکھتے تھے۔

طبیعت کی سادگی ملاحظہ ہو۔ گھر میں ایک چھوٹی سی بیٹھک تھی۔
جہاں کھجور کی چٹائی پر بیٹھے رہتے تھے۔ علم کے پیاسے وہیں آکر اپنی پیاس

بجھاتے ۔ کسی سے کوئی معاوضہ لینا علم کی تذلیل تصور فرماتے تھے ۔
از سر تا پا سفید لباس پہنتے کندھے پر گز بھر کا سفید رومال جس کے
ایک کونے میں بی ٹائم پیس بندھا رہتا تھا بازار سے سودا سلف خود ہی
لاتے تھے ۔ ہمیشہ رات کو مٹی کے چراغ کے سامنے مطالعہ کرتے اس
اصول میں بھی آخر وقت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد جب گورنمنٹ کالج لاہور
کی پروفیسری سے سبکدوش ہوئے تو مولوی میر حسن صاحب کو ان
کی جانشینی کے لئے منتخب کیا گیا ۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ زیادہ تنخواہ
کے لالچ میں اپنے دیرینہ محسن مشن کالج کو چھوڑنا احسان فراموشی ہے
میں ایسا نہیں کر سکتا ۔

مولوی میر حسن اور اقبال

آپ خود ہی اندازہ لگا لیجئے کہ اقبال کو اقبال کس نے بنایا؟
اسی جوہر شناس استاد نے جب حضرت علامہ چوتھی جماعت میں تھے
اِن کے والد نے مولوی صاحب سے کہا کہ اقبال کو اسکول سے
اٹھا لیا جائے اور آپ صرف دینیات کا سبق دیا کریں مولوی صاحب
نے مسکرا کر فرمایا نہیں یہ بچہ تو مدرسے ہی میں پڑھے گا ۔ حقیقت

شناس استاد نے اپنے شاگرد رشید کا مستقبل دیکھ لیا تھا۔ حضرت علامہ نے بھی استاد کی شفقت اور نوازشوں کو عمر بھر یاد رکھا۔ اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے گھرانے کے بچہ بچہ سے انتہائی عقیدت ملحوظ رکھی

حضرت علامہ جب اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان جانے لگے تو اپنی "التجائے مسافر" نامی نظم بطور دعا حضرت سلطان نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں پڑھی تھی اسکے تین شعر جو اپنے استاد کے لئے لکھے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علامہ کو اپنے شفیق استاد سے کس درجہ محبت تھی۔ فرماتے ہیں ؎

وہ شمع بارگہ خاندان مرتضوی
رہیگا مثل حرم جس کا آستان مجھ کو
نفس سے جس کے کھلی مری آرزو کی کلی
بنایا جس کی مروت نے نکتہ دان مجھ کو
دعا یہ کر کہ خداوند آسمان و زمین
کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجھکو

اسی سلسلے میں ایک اور واقعہ بھی قابل ذکر ہے۔ جب گورنمنٹ نے حضرت علامہ کو نائٹ کے خطاب سے سرفراز کرنا چاہا تو آپ

نے دوران گفتگو میں گورنر سے فرمایا کہ میرے خطاب سے پہلے میرے استاد سید مولانا میر حسن شاہ صاحب کو خطاب ملنا چاہیئے وہ مجھ سے زیادہ اس اعزاز کے مستحق ہیں۔ گورنر نے کہا میں نے اِن کی کوئی تصنیف نہیں دیکھی اس پر حضرت علامہ نے برجستہ جواب دیا کہ ان کی سب سے بڑی تصنیف تو میں خود موجود ہوں۔ چنانچہ مولانا کو "شمس العلماء" کا خطاب ملا۔ اس پر آشوب زمانے میں ایسے سعادت مند شاگرد کہاں ہیں۔

حضرت علامہ لاہور میں

اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ سے ایف اے پاس کر کے حضرت علامہ گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ کالج میں داخل ہونے کے وقت آپ کے والد نے عہد لیا۔ کہ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اسلام کی خدمت کرنا۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اقبال نے کس طرح اس عہد کو پورا کیا۔ لاہور میں پروفیسر آرنلڈ جیسا قابل اور شفیق استاد ملا۔ آرنلڈ صاحب فلسفہ میں مسلمہ قابلیت کے مالک تھے۔ اور علی گڑھ کالج سے لاہور آ گئے تھے۔ وہ حضرت علامہ کے متعلق فرمایا

کرتے تھے کہ ایسا شاگرد استاد کو محقق بنا دیتا ہے۔ اور محقق کو محقق تر

حضرت علامہ نے ۱۸۹۷ء میں بی اے پاس کیا اور دو طلائی تمغے اور وظیفہ حاصل کیا۔ ۱۸۹۹ء میں فلسفہ کا ایم اے پاس کیا اور یونیورسٹی میں اول آئے اور طلائی تمغہ حاصل کیا۔

ملازمت

ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد حضرت علامہ اورنٹیل کالج لاہور میں تاریخ و فلسفہ کے لکچرار مقرر ہوئے اور کچھ عرصہ بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفہ اور انگریزی کے اسسٹنٹ پروفیسر مقرر ہوئے اسی زمانے میں آپ نے ایک کتاب موسومہ "علم الاقتصاد" اردو زبان میں تصنیف کی۔

ذوق شعر

شاعر پیدا ہوتے ہیں بنائے نہیں جاتے اقبال بھی پیدائشی شاعر تھے۔ شعر گوئی کا چسکہ مولوی میر حسن ہی کے فیض صحبت سے پڑ گیا تھا۔ استاد داغ کا طوطی بول رہا تھا۔ ان ہی سے حضرت علامہ نے اصلاح لینی شروع کی۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت داغ

نے لکھ دیا کہ تمہیں اب اصلاح کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت علامہ لاہور آئے تو وہاں شاعری کے جوہر کھلے۔ فروری ۱۸۹۶ء میں جبکہ وہ بی اے کے ایک طالب علم تھے لاہور کے ایک مشاعرہ میں پہلی مرتبہ غزل پڑھی جب اس شعر پر پہنچے ؎

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

تو مشاعرہ میں ایک دھوم مچ گئی۔ مرزا ارشد گورگانی مرحوم جو مشاعرہ میں موجود تھے بے اختیار سبحان اللہ و مرحبا کہہ اٹھے۔ اور یوں گویا ہوئے کہ "میاں اقبال اس عمر میں اور یہ شعر"۔

۱۸۹۹ء کا واقعہ ہے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور کا سالانہ جلسہ تھا۔ غالباً حضرت علامہ سب سے پہلے انجمن کے پلیٹ فارم پر آئے اور اپنی نظم "نالہ یتیم" نہایت سوز و گداز سے پڑھی۔ "نالہ یتیم" کی صدا ایسی اٹھی کہ اقبال کی شاعری کا ڈنکہ سارے ہندوستان میں بجنے لگا۔ اس کے بعد سے انجمن کے ہر سالانہ جلسے پر اِن کی ایک نظم لازمی ہو گئی۔

اعلیٰ تعلیم و سفر یورپ

حضرت علامہ نے ۱۹۰۵ء میں یورپ کا سفر کیا۔ کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفہ اخلاق کی ڈگری حاصل کی۔ اِس کے بعد جرمنی کی میونخ یونیورسٹی میں ایک کتاب فلسفہ ایران پر لکھ کر پیش کی جس کے صلے میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ملی۔ یہ کتاب یورپ میں بے حد پسند کی گئی ہے۔ جرمنی سے انگلستان آکر بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور لندن کے اسکول آف پولٹیکل سائنس سے بھی سند حاصل کی۔

حضرت علامہ نے اپنی ہمہ گیر قابلیت کے باعث انگلستان میں ایسی شہرت حاصل کرلی کہ آپ کو "اسلام" پر لیکچر دینے کے لئے دعوت دی گئی چنانچہ اس موضوع پر آپ نے چھ لیکچر دیئے جس سے آپ کی شہرت کو اور بھی چار چاند لگ گئے۔ اسی دوران میں پروفیسر آرنلڈ نے چھ ماہ کی رخصت لی۔ اور ان کی جگہ حضرت علامہ کو لندن یونیورسٹی نے عربی کا پروفیسر مقرر کیا۔

تین سال یورپ میں قیام کرنے کے بعد حضرت علامہ وطن کو واپس ہوئے اور ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچے۔ جہاں

آپ کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر صرف پینتیس سال تھی۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ہندوستانی نوجوانوں کی آنکھیں یورپ کی نئی روشنی سے خیرہ ہو جاتی ہیں۔ اور وہاں سے بالکل "صاحب بہادر" بن کر آتے ہیں اور بقول اِسمٰعیل میرٹھی ؎

رہا وہ جرگہ جسے چرگئی ہے انگریزی
سوواں خدا کی ضرورت نہ ابنیادرکار
وہ آنکھ میچ کے برخود غلط بنے ایسے
کہ ایشیا کی ہر ایک چیز پر پڑھی دھتکار
وہ اپنے آپ کو سمجھے ہوئے ہیں جنٹلمین،
اور اپنی قوم کے لوگوں کو جانتے ہیں گنوار
نہ کچھ ادب ہے نہ اخلاق نے خدا ترسی
گئے ہیں ان کے خیالات سب سمندر پار

لیکن حضرت علامہ مغرب زدہ ہو کر نہیں آئے تھے۔ اور یہ انکی ابتدائی اعلیٰ تربیت اور بزرگوں کے فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔ کہ اِن پر یورپ کے سفر سے کوئی برا اثر نہیں ہوا۔ یورپ میں حضرت علامہ نے اس حدیث پر عمل کیا۔ جس کا مفہوم بزبان حالی یہ ہے ؎

کہ حکمت کو ایک گم شدہ لال سمجھو
جہاں پاؤ اپنا اسے مال سمجھو

یورپ سے واپسی کے بعد

انگلستان سے واپس آنے کے بعد حضرت علامہ کچھ عرصہ تک کالج میں پروفیسر رہے۔ بعدازاں ملازمت سے استعفیٰ دیکر بیرسٹری شروع کردی۔ سنہ ۱۹۳۴ء میں خرابی صحت سے مجبور ہو کر بیرسٹری بھی ترک کردی اور خانہ نشین ہو گئے۔ اعلیٰ حضرت فرمانروائے بھوپال نے پانچ سو روپیہ ماہانہ اعزازی وظیفہ مقرر فرمایا۔ اِس کے بعد حضرت علامہ کا یہ شغل تھا کہ جو وقت بیماری کے حملوں سے بچتا تھا۔ اِسے اسلامی فقہ اور مقدمۃ القرآن کی ترتیب میں صرف کرتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ کام تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

خطاب

سرکاری حلقوں میں حضرت علامہ کی شاعری کا تعارف سنہ ۱۹۰۱ء میں ہوا۔ جب کہ آپ نے ملکہ وکٹوریہ کی وفات پر ایک دردناک

ترکیب بند کہا۔ لیکن یورپ سے واپس آنے کے بعد جب مثنوی اسرار خودی اور مثنوی رموز بیخودی کی اشاعت ہوئی اور ان دونوں مثنویوں کے ترجمے یورپ کی کئی زبانوں میں بھی ہو چکے اور مغرب نے حضرت علامہ کے کلام کو سر آنکھوں سے لگایا تو حکومت نے بھی اپنی قدر دانی کا ثبوت دینے کے لئے ۱۹۲۲ء میں آپ کو "سر" کا خطاب عطا فرمایا۔ سرکاری خطابات کے حاصل کرنے کے لئے کیسے کیسے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں یہ کچھ خطاب یافتہ ہی حضرات جانتے ہیں لیکن اقبال کو بغیر کسی خواہش کے خطاب ملا تھا۔ اور جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے آپ نے یہ شرط لگادی تھی کہ پہلے آپ کے استاد کو خطاب ملنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ شرط بھی حکومت نے منظور کر لی لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں کہ خطاب ملنے کے بعد اقبال وہ اقبال نہ رہیگا لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ آزادی اور حریت کے اس معلم میں سرکاری خطاب سے کوئی فرق پیدا نہ ہوا۔

سیاسی زندگی

حضرت علامہ ایک مفکر تھے۔ اور سیاسی اکھاڑے کی ہنگامہ آرائی

سے الگ تھلگ ہی رہنا پسند فرماتے تھے ۔ لیکن اِن کے خاص احباب نے اصرار سے منت سماجت سے انہیں پنجاب کونسل کی ممبری کے لئے آمادہ کر ہی لیا ۔ ممبری کے امیدوار کے لئے ضرورت ہے کہ روپیہ پانی کی طرح بہائے ۔ دوڑوں کی خوشامد کرتا پھرے اور اپنے معاونین کے ناز نخرے سہے ۔ لیکن حضرت علامہ اِن تمام خرافات سے بالاتر رہے ۔ غالباً یہ پہلی مثال ہے کہ حضرت علامہ نے اِس ضمن میں کچھ خرچ نہیں کیا ۔ اِن کے عقیدتمندوں ہی نے سب کچھ دوڑ دھوپ کی ۔ لاہور کی مختلف انجمنوں نے اِن کی موافقت میں پوسٹر شائع کئے جلسے کئے اِن کے مقابل تین امیدوار تھے ۔ جن میں سے دو حضرات نے نام واپس لے لئے ۔ نومبر ۱۹۲۶ء میں حضرت علامہ بڑی بھاری اکثریت کے ساتھ پنجاب کونسل کے ممبر منتخب ہو گئے ۔ حقیقت میں جمہور کے سچے اور حقیقی نمائندے وہی تھے ۔ ورنہ روپیہ کے بل بوتے پر تو اور بھی ممبر ہو جایا کرتے ہیں ۔ یہ بھی ان کی ہر دلعزیزی کی ایک روشن دلیل ہے ۔

کونسل میں حضرت علامہ نے مسلمانوں کی ترقی و فلاح کے لئے اور خصوصاً مزدور اور کاشتکار طبقہ کی سود و بہبود اور اِن کی

مشکلات کے رفع کرنے میں مسلسل کوشش کی - بانیاں مذہب پر توہین آمیز حملوں کا سدباب کرنے کے لئے بھی قانون بنوایا - شراب کی لعنت کو دور کرنے کے لئے بھی کوشش کی - ایک مرتبہ جبکہ آپ مالیہ کم کرانے کے سلسلے میں تقریر فرما رہے تھے تو سرکاری ممبر مال نے کہا "صوبہ کی ترقی کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے اور حکومت کیمیاگری نہیں جانتی" اس پر حضرت علامہ نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے آپ نے فرمایا "حکومت کو اس وقت تک کیمیاگری سیکھنے کی ضرورت نہیں جب تک کہ ملک کے تمام مصیبت زدہ کسان جن کا پسینہ مٹی کو سونا بنا دیتا ہے - اس کے قبضہ میں ہیں"۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں حضرت علامہ نے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ جلسہ کی صدارت کی اس کے بعد مسلم کانفرس کے صدر کی حیثیت سے مسلمانوں کی رہنمائی کی - سنہ ۱۹۳۱ء میں آپ دوسری گول میز کانفرنس کی شرکت کے لئے انگلستان تشریف لے گئے - اسی سلسلے میں مصر اور روما کا سفر بھی کیا - اور فلسطین کی موتمر اسلامی میں شرکت کی روما اور قاہرہ میں آپ نے لکچر بھی دئے اور سننے والوں پر آپ کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا - سنہ ۱۹۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس

میں بھی شرکت کی اور واپسی میں ہسپانیہ تشریف لے گئے جہاں اسلامی عہد کے آثار کی سیر کی۔

اسلام پر لکچر

دسمبر ۱۹۲۸ء میں حضرت علامہ کو اسلام پر لکچر دینے کے لئے مدراس دعوت دی گئی۔ چنانچہ آپ تشریف لے گئے۔ تین روز مدراس میں قیام کیا۔ مدراس سے رخصت ہو کر آپ شروع جنوری ۱۹۲۹ء میں بنگلور تشریف لے گئے۔ ۱۰ر جنوری کو میسور پہنچے۔ اور مہاراجہ صاحب کے مہمان ہوئے۔ اسی سفر میں سلطان حیدر علی اور سلطان ٹیپو کے مزارات کی بھی زیارت کی۔ اور ۱۴ر جنوری کو حیدر آباد پہنچے وہاں اعلیٰ حضرت حضور نظام کے مہمان ہوئے۔ مدراس میسور اور حیدر آباد میں "اسلام" پر چھ لکچر دیئے۔ جو کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ اِن تمام مقامات پر حضرت علامہ کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ مختلف انجمنوں اور اداروں نے ایڈریس پیش کئے۔ میسور یونیورسٹی کے ایک غیر مسلم پروفیسر نے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے کہا "ڈاکٹر سر محمد اقبال کو مسلمان لاکھ اپنا کہیں مگر وہ ہم سب کے

ہیں ۔ وہ کسی ایک مذہب یا جماعت کی مِلک نہیں ہو سکتے ۔ اگر مسلمانوں کو یہ ناز ہے کہ اقبال ان کا ہم مذہب ہے تو ہم کو بھی یہ فخر ہے کہ اقبال ہندوستانی ہے"۔

بیماری

حضرت علامہ کی بیماری کا سلسلہ تقریباً چار سال سے جاری تھا ۔ جس کی ابتدا یہ ہوئی کہ ۱۰ر جنوری ۱۹۳۴ء کو عید کا دن تھا سردی خوب زور پر تھی ۔ نمازِ عید سے واپس آنے کے بعد حضرت علامہ نے دہی سویاں ملا کر کھائیں ۔ نزلہ کی شکایت ہو گئی ۔ اور آواز بیٹھ گئی ۔ اور آخر وقت تک بالکل صاف نہ ہوئی ۔ حالانکہ علاج برابر ہوتا رہا ۔ کھانسی ۔ دمہ اور دل کی کمزوری مستقل مرض ہو گئے تھے ۔ لیکن حکیم عبدالوہاب صاحب انصاری کے علاج سے آرام ہو گیا تھا ۔ مرض کا دورہ کبھی کبھی تکلیف دیتا تھا ۔ دسمبر ۱۹۳۷ء سے صحت زیادہ خراب ہونے لگی سانس پر تکلیف ہر دوسرے تیسرے روز ہونے لگتی تھی ۔ دل بھی کمزور ہو رہا تھا ۔ جگر بھی بڑھ گیا تھا ۔ وسط اپریل ۱۹۳۸ء میں پھر حالت بگڑی تو لاہور کے بہترین ڈاکٹروں کے ایک بورڈ کے مشورہ سے علاج شروع

ہوا۔ ۱۹/ اپریل ۱۹۳۸ء کو تھوک میں خون آنے لگا۔ اور نبض بھی کمزور ہو گئی۔

حضرت علامہ کو یقین ہو گیا تھا۔ کہ اب وقت قریب آپہنچا ہے۔ وفات سے ایک روز قبل فرمایا میں اب تکلیفوں سے بہت جلد نجات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اسی روز ایک جرمن دوست ملنے آئے تو اِن سے فرمایا "میں مسلمان ہوں اور موت سے نہیں ڈرتا۔ جب موت آئے گی تو مجھے مسکراتا ہوا پائیگی" +

وفات

وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت علامہ نے یہ قطعہ پڑھا

سرورِ رفتہ باز آید کہ ناید ہمو نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارِ ایں فقیرے ہمو دگر دانائے راز آید کہ ناید

آخر وہ ساعت آپہنچی جمعرات کا دن تھا ۲۱/ اپریل ۱۹۳۸ء کو صبح سوا پانچ بجے کا وقت تھا کہ حضرت علامہ کا وفادار ملازم علی بخش بدن دبا رہا تھا آپ نے دل پر ہاتھ رکھ کر کہا "اب درد ادھر آگیا ہے" ایک آہ کھینچی اور جان جاں آفرین

کو سپرد کر دی۔ "اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون"

وفات کی خبر بجلی کی طرح شہر میں پھیل گئی۔ اور جاوید منزل پر سوگوار شیدائیوں کا ہجوم ہو گیا۔ تمام سرکاری و غیر سرکاری دفاتر مدارس عدالتیں و ادارے بند کر دیئے گئے۔

مزار

شاہی مسجد کے دروازے کے بائیں جانب قطعہ زمین مزار کے لئے تجویز کیا گیا۔ اور پانچ اکابرین کا وفد ہز اکسلینسی گورنر پنجاب کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ ہز اکسلینسی نے محکمہ آثار قدیمہ کے دفتر دہلی سے اجازت منگالی۔

جنازہ

شام کو پانچ بجے جنازہ اٹھایا گیا۔ چارپائی کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تھے۔ تاکہ کندھا دینے والوں کو سہولت رہے۔ تکبیر و تہلیل کے درمیان جنازہ روانہ ہُوا۔

اور میو روڈ اور ریلوے روڈ سے ہوتا ہوا اسلامیہ کالج کے میدان میں پہنچا اس وقت کم از کم چالیس ہزار انسانوں کا مجمع تھا۔ اور ہر طرف سے آہ و فغاں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ اسلامیہ کالج کے میدان میں پہنچکر قرار پایا کہ نماز شاہی مسجد میں ادا کی جائے تاکہ شہر بھر کے بقیہ مسلمان بھی شامل جلوس ہو کر وہاں پہنچیں۔ اور نماز جنازہ میں شریک ہو سکیں۔ سرکلر روڈ سے ہو کر جنازہ دھلی دروازہ میں داخل ہوا۔ اور چوک مسجد وزیر خاں۔ کشمیری بازار۔ بزاز ہٹہ۔ واٹر ورکس سے ہوتا ہوا سات بجے کے قریب شاہی مسجد پہنچا وہاں بھی انسانوں کا کچھ شمار نہ تھا۔ نماز جنازہ میں شریک ہونے والے مسلمانوں کی تعداد کا نہایت محتاط اندازہ یہ ہے کہ ساٹھ ستر ہزار سے ہرگز کم نہ ہوں گے۔ آٹھ بجے نماز جنازہ سے فراغت ہوئی۔ اور اس کے بعد حضرت علامہ کے جسد مبارک کو حضوری باغ کے کونے میں شاہی مسجد کے مینار کے سائے میں سپرد خاک کر دیا

اکابرین کا اظہار افسوس

مسز نائیڈو اگرچہ آج آسمان ادب کے آفتاب کی ضیا پاش مٹی

زمین میں دفن کی جارہی ہے۔ بایں ہمہ آپ کا نہ مٹنے والا جوہر ہمیشہ اسی خوب صورتی اور شان میں قیامت تک قائم رہے گا۔ مجھے آپکی وفات سے بے حد صدمہ ہوا ہے۔

مسٹر سبھاش چندر بوس | سر محمد اقبال کی وفات نے ہندوستان کے آسمان ادب کو ایک منور ستارے سے محروم کر دیا ہے۔ سر محمد اقبال صرف عظیم المرتبت شاعر اور شہرہ آفاق ادیب ہی نہ تھے۔ اِن کی شخصیت کئی لحاظ سے ہندوستان کے لئے باعث افتخار تھی۔ ہندوستان کے لئے یہ نقصان خسارۂ عظیم کی حیثیت رکھتا ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو | مجھے یہ سن کر بے حد افسوس ہوا ہے کہ علامہ اقبال وفات پا گئے۔ کچھ عرصہ پیشتر مجھے آپ سے ملاقات کرنیکا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت بھی آپ بیمار تھے۔ میں نے دیر تک آپ سے مذاکرہ کیا تھا۔ آپ کے دل میں آزادی اور وطن کی پوری محبت تھی۔ جس سے میں بڑا متاثر ہوا تھا۔ آپ کی موت ہندوستان کے لئے ناقابل تلافی ہے مگر آپ کی نظمیں مدت تک آئندہ نسلوں کے لئے ایک یادگار رہیں گی +

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور | سر محمد اقبال کی وفات سے ہمارے ادب کو ایک ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا ہے۔ اور وہ ایک ایسے مہلک

زخم سے مشابہ ہے۔ جس کے معالجہ کے لئے مدت مدید کی ضرورت ہے۔ ہندوستان کا درجہ آج بھی دنیائے ادب میں بہت پیچھے ہے مگر اس شاعر کی وفات نے جس کی نظموں کی شہرت بین الاقوامی تھی اسے اور بھی نقصان پہنچایا ہے۔

سر گوکل چند نارنگ | مجھے ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات نے بے حد صدمہ پہنچایا ہے۔ چونکہ آپ میرے ذاتی دوست تھے۔ اس لئے یہ صدمہ اور بھی زیادہ محسوس ہو رہا ہے۔ شاعری میں آپ کی ریسرچ نہ صرف مسلمانوں بلکہ ہندوستان کی ساری قوموں کے لئے مایہ ناز ہے۔

راجہ نرندر ناتھ | سر محمد اقبال کی وفات میرے لئے بہت بڑا صدمہ ہے ..... آہ آج دنیا کا بہت بڑا شاعر نہ رہا۔ آپ نے اردو فارسی نظم میں ایک خاص روح پھونک دی ہے۔ آپ دنیا کی اُن چند بلند ہستیوں میں تھے۔ جو انسانیت کے درجے کو بلند کرنے کے لئے پر تاثیر نظمیں لکھتے ہیں۔ آپ کی نظمیں فلسفہ سے معمور ہیں۔ ہندوستان کو آپ کے انتقال سے ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے۔ ہندوستان آپ جیسی بلند پایہ ہستی پر فخر کرنے میں بالکل حق بجانب ہے

سر جیمس ایڈیسن قایمقام چیف جسٹس لاہور علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات کی اندوہ ناک اطلاع پاکر بے حد صدمہ ہُوا۔ وہ عدالتوں میں شہرہ آفاق حیثیت رکھتے تھے۔ اور ایک ممتاز قانون داں گنے جاتے تھے۔ آپ بے حد خلیق تھے۔ آپ کی تقریر نہایت شستہ تھی۔ آپ کے اطوار نہایت پسندیدہ تھے۔ آپ عقل سلیم کے مالک تھے۔ اور عوام الناس کے نزدیک بے حد ہر دلعزیز تھے۔ جس حد تک شاعری کا تعلق ہے آپ کی شہرت بین الاقوامی تھی۔ آپ کی شگفتگی مزاج اور متانت و سنجیدگی جس کا عطر آپ کے اشعار میں کوٹ کوٹ کر بھرا پڑا ہے۔ اتنی پسندیدہ ہے کہ اس نے ساری دنیا سے آپ کے لئے خراج تحسین وصول کیا یہ خراج تحسین کسی نسل قوم اور مذہب تک محدود نہ تھا۔ بلکہ ساری دنیا کے اہم افراد آپ کے مداح تھے۔ اس وقت پنجاب جس شخص کی وفات سے اندوہ و تاسف کا مجسمہ بنا ہوا ہے وہ ایک ایسا قانون داں۔ ادیب۔ اور بلند پایہ شاعر تھا جس کی شہرت قیامت تک رہے گی۔

مسٹر محمد علی جناح میں سر محمد اقبال کی وفات کی اطلاع سن کر بے حد مغموم ہوا ہوں۔ آپ دنیا بھر میں شہرت رکھنے والے

ممتاز شاعر تھے ۔ آپ کی نظموں کی وجہ سے آپ کی شہرت کبھی کم نہ ہوگی ۔ آپ نے اپنے وطن اور مسلم قوم کے لئے اِتنی بلند خدمات سرانجام دی ہیں کہ وہ ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ میرے لئے آپ دوست کی حیثیت رکھتے تھے آپ کی قیادت آپ کا فلسفہ ہمارے لئے مایہ ناز تھا۔ جس وقت مسلم لیگ تاریک تریں مراحل سے گذر رہی تھی ۔ آپ نے لیگ کے لئے ایک ناقابل تسخیر قلعہ کا کام دیا تھا۔ ایسی مصیبتوں کے وقتوں میں آپ اپنے عزم سے ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹے تھے ۔

چودھری سر شہاب الدین

ڈاکٹر صاحب مرحوم کی وفات کی اندوہ گیں خبر میرے لئے بے حد صدمہ کا موجب ہوئی آپ کی وفات کی وجہ سے مشرق سے ایک بلند پایہ مشرقی شاعر ہندوستان سے ایک قابل ہونہار فرزند دنیائے اسلام سے ایک متدین اور سیاسی مفکر اور کرۂ ارض سے ایک اہم شخصیت اور بلند پایہ فلاسفر اٹھ گیا ہے ۔ چونکہ آپ دنیا کے مایہ ناز مفکرین اور دانشمندوں میں سے تھے ۔ لہذا آپ کی یاد ہمیشہ تازہ رہیگی ۔ آپ کی نظم آپ کے تخیلات آپ کا ادب آپ کا فلسفہ ہر کڑے وقت میں ہمارے لئے رہنمائی کا کام کرے گا۔

اور ہمیشہ ہمیں غلط راستے سے صراط مستقیم پر لائے گا۔

آنریبل سر سکندر حیات خاں | علامہ اقبال کی اچانک رحلت کی روح فرسا خبر نے مجھے بے حد صدمہ پہنچایا ہے۔ اسلامی دنیا کے اس حادثۂ الیمہ اور اس کے ناقابل تلافی نقصان میں مشرق و مغرب دونوں یکساں حصہ دار ہیں۔

ہم نے صرف چند اکابرین کے خیالات درج کئے ہیں حضرت علامہ کی وفات پر ملک کے طول و عرض میں ماتم کیا گیا انجمنوں اداروں اور مدارس نے ماتمی جلسے منعقد کئے اخبارات اور رسائل نے خاص مضامین اور اقبال نمبر شائع کر کے ملک کے دلی جذبات غم کا اظہار کیا۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ ہندوستان سے باہر یورپ ایران مصر اور افغانستان وغیرہ میں بھی حضرت علامہ کا سوگ منایا گیا۔

اولاد

حضرت علامہ نے تین شادیاں کی تھیں۔ اولاد میں ایک صاحبزادے آفتاب اقبال ہیں جو بیرسٹری کرتے ہیں۔ ان کی والدہ بھی بقید حیات ہیں۔ ایک دوسری بیوی سے دو بچے ہیں

جاوید اقبال اور منیرہ بانو ۔ جاوید کی عمر تیرہ سال اور منیرہ کی نو سال ہے ۔ اپنے بعد اِن دونوں بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگرانی کے متعلق حضرت علامہ نے عرصہ ہوا ایک وصیت نامہ کے ذریعے چار حضرات کی ایک کمیٹی بنادی تھی ۔ اور وصیت نامہ رجسٹری کرا کے رجسٹرار ہی کے پاس محفوظ کرادیا تھا ۔ اِس کمیٹی کے چاروں ارکان کے نام یہ ہیں ۔ خواجہ عبدالغنی صاحب بچوں کے حقیقی ماموں ۔ چودھری محمد حسین صاحب ایم ۔ اے سپرنٹنڈنٹ پریس ۔ شیخ اعجاز احمد صاحب سب جج حضرت علامہ کے بھتیجے ۔ اور حکیم منشی طاہرالدین صاحب ۔ اِن میں سے خواجہ عبدالغنی کا انتقال ہوگیا ۔

اِن دونوں بچوں کی ماں کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوگیا تھا اِس لئے حضرت علامہ کو اِن کی طرف سے بڑی پریشانی رہا کرتی تھی کوٹھی جاوید منزل جس میں حضرت علامہ کا قیام تھا ۔ جاوید سلمہٗ ہی کی ملکیت میں دیدی تھی اور حضرت علامہ اس کا کرایہ پچاس روپیہ ماہوار ہر ماہ کی ۲۱ ر تاریخ کو پیشگی جاوید کے نام بینک میں جمع کرادیا کرتے تھے ۔ کرایہ اسی تاریخ کو واجب ہوتا تھا ۔ یہ عجب اتفاق ہے کہ ۲۱ ر اپریل ۳۸ دن نکلنے سے قبل حضرت علامہ اس دنیا سے سدھارے اور آپ کے ذمہ کرایہ واجب نہ ہوا تھا ۔

اخلاق و عادات

حضرت علامہ نہایت ملنسار اور خوش خلق تھے۔ اِن کے پاس آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ لیکن کبھی ملنے والوں سے نہ اکتاتے تھے۔ اور خندہ پیشانی سے ہر شخص سے ملتے تھے آپ کے خاص احباب کا بیان ہے کہ کبھی آپ کو غصہ نہیں آتا تھا اور اگر کوئی بات خلاف مزاج ہوتی تھی۔ تو ضبط سے کام لیتے تھے۔

حضرت علامہ نہایت غیرت مند مسلمان تھے۔ انتقال سے کچھ عرصہ پہلے ہندوستان کی کسی ریاست کے وزیر اعظم نے علامہ مرحوم کو ایک ہزار روپے کا چیک بھیجا۔ اور ایک علیحدہ خط میں یہ لکھا کہ یہ روپیہ آپ کو ریاست کے ایک خاص فنڈ سے جس کا میں نگراں ہوں بھیجا جا رہا ہے۔ حضرت علامہ کی غیرت نے تقاضا نہ کیا کہ اسے قبول کریں۔ چنانچہ چیک واپس کر دیا۔ اور یہ اشعار اس کے ساتھ لکھ کر بھیجدیئے ؎

تھا یہ فرمان الٰہی کہ شکوہ پرویز — دو قلندر کو کہ ہیں اسمیں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر — حسن تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات

کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبات — میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سرِ دوش
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات — غیرت فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول

حضرت علامہ سادگی کا ایک نمونہ تھے۔ جاوید منزل میں نہ کچھ آرائش اور شان و شوکت کا سامان تھا۔ نہ دروازہ پر کوئی دربان تھا۔ جو کوئی زیارت کا مشتاق آیا۔ علی بخش سے کہا۔ اس نے اطلاع کر دی فوراً بلا لیا گیا۔ نواڑ کی چارپائی ہے۔ اس پر حضرت علامہ تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ حقہ پیتے جاتے ہیں اور باتیں کرتے جاتے ہیں۔ تہمد بندھا ہوا ہے۔ بدن پر بنیان ہے۔ آنے والا کوئی سرکاری عہدہ دار ہو کوئی بڑا آدمی ہو کوئی عالم فاضل ہو۔ ہندوستانی ہو۔ یا یورپ کا رہنے والا ہو۔ غرض کوئی بھی ہو اس سے ملاقات کیلئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت علامہ نہایت نفیس طبع۔ اور خوش خوراک تھے غذا میں پلاؤ اور کباب آپکو بہت پسند تھے۔ اور ان دونوں چیزوں کو اسلامی غذا کہا کرتے تھے بیماری میں جب پرہیز کی سخت ہدایت تھی تو حکیم صاحب سے فرمایا کہ آپ یہاں کھانا کھائیں۔ کیونکہ اگر میں پلاؤ کھا نہیں سکتا تو کم از کم آپکو کھاتے ہوئے تو دیکھ ہی لونگا۔ یونانی ادویات آپکو اسی لئے مرغوب تھیں۔ کہ وہ خوش ذائقہ ہوتی ہیں۔ ایک مرتبہ ڈاکٹری دوا کے متعلق آپ نے

فرمایا کہ یہ دوائیں خلاف انسانیت ہوتی ہیں ۔ کیونکہ اس میں مریض کے ذوق کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ پھلوں میں آم اور انگور بہت مرغوب تھے۔

حضرت علامہ کو بچپن سے عادت تھی کہ بلند آواز سے قرآن شریف کی تلاوت کیا کرتے تھے ۔ اور رویا کرتے تھے ۔ بیماری کے سبب سے آواز بیٹھ جانے کا رنج بہت تھا ۔ کیونکہ بلند آوازی سے تلاوت نہ کر سکتے تھے ۔ اور اگر کوئی خوش الحانی سے تلاوت کرتا تو بھی آپ رونے لگتے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علامہ کو عشق تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ احباب کا مجمع ہے آپ اپنا کلام سنا رہے ہیں مجلس پر وجد کی کیفیت طاری ہے کہ رسول خدا صلعم کا یا حجاز مقدس کا ذکر آ گیا۔ بس پھر کیا تھا ۔ آنکھوں سے طوفان اشک جاری ہو گیا ۔ گھنٹوں خود روتے اور دوسروں کو رلاتے ۔ اولیا اللہ سے بھی آپ کو بیحد عقیدت تھی اور ان کا احترام کیا کرتے تھے +

اقبال خود اپنی نظر میں

ہر بڑے شاعر نے اپنے متعلق بھی کچھ نہ کچھ اظہار خیال کیا ہے۔ حضرت علامہ کیا فرماتے ہیں ؟ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہے عجب مجموعہ اضداد اے اقبال تو
رونق ہنگامہ محفل بھی ہے تنہا بھی ہے

نہ پوچھ اقبال کا ٹھکانہ ابھی وہی کیفیت ہے اسکی
کہیں سر رہگذار بیٹھا ستم کش انتظار ہوگا

بڑا کریم ہے اقبال بے نوا لیکن
عطائے شعلہ شرر کے سوا کچھ اور نہیں

مجموعہ اضداد ہے اقبال نہیں ہے
دل دفتر حکمت ہے طبیعت خفقانی

زمانے سے بھی آگاہ شریعت سے بھی واقف
پوچھو جو تصوف کو تو منصور کا ثانی

خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

ڈھونڈتا پھرتا ہوں اے اقبال اپنے آپکو
آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں

اقبال بھی اقبال سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اسمیں تمسخر نہیں واللہ نہیں ہے

تصانیف

حضرت علامہ کی تصانیف ان کی معنوی اولاد ہیں اور ہمارے لئے مشعل ہدایت ہیں۔ اِن کا مختصر تذکرہ بھی ضروری ہے۔

علم الاقتصاد | یہ سب سے پہلی کتاب اُردو میں ہے جو حضرت علامہ نے اس زمانے میں لکھی تھی جب آپ گورنمنٹ کالج میں پروفیسر تھے۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔

فلسفۂ عجم | یہ اس انگریزی مقالے کا ترجمہ ہے جس پر حضرت علامہ کو پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی تھی۔

مثنوی اسرار خودی | یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اس میں حضرت علامہ نے "فلسفۂ خودی کو فلسفیانہ دلائل سے آزاد کر کے تخیل کے رنگ میں پیش کیا ہے عام طور پر خودی کے معنی غرور سمجھے جاتے ہیں لیکن اس نظم میں خودی سے مراد "احساس نفس" ہے حضرت علامہ نے ثابت کیا ہے کہ خودی یعنی "احساس نفس" ہی مقصد زندگی ہے اور خودی کو مٹا دینا گناہ ہے۔ یہ مثنوی سنہ ۱۹۱۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

مثنوی رموز بیخودی | فارسی زبان میں ہے۔ اور اسرار خودی کا دوسرا حصہ ہے اس میں حضرت علامہ نے ثابت کیا ہے۔ کہ جس طرح خودی کا قایم رکھنا ایک فرد کا مقصد حیات ہے اسی طرح قوم اور ملت کی زندگی بھی اسی قیام خودی میں پوشیدہ ہے افراد کو خودی تو ضرور قایم رکھنی چاہیئے لیکن ملّت کی بہبودی پر اپنی انفرادی حیثیت کو قربان کر دینا ان کے فرائض میں داخل ہے۔ اسی صورت میں ملّت قایم رہ سکتی ہے۔ یہ مثنوی سنہ ۱۹۱۸ء میں شائع ہوئی تھی۔

بانگ درا | یہ کتاب اردو میں ہے اور حضرت علامہ کا ابتدائی کلام ہے۔ جس کو تین دوروں پر تقسیم کیا گیا ہے اس کے دیباچے میں عالی جناب سر شیخ عبد القادر صاحب فرماتے ہیں "یہ دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ اردو میں آج تک کوئی ایسی کتاب

اشعار کی موجود نہیں ہے۔ جس میں خیالات کی یہ فراوانی ہو اور اس قدر مطلب و معانی یکجا ہوں اور کیوں نہ ہو ایک صدی کے چہارم حصہ کے مطالعہ اور تجربہ اور مشاہدہ کا نچوڑ اور سیر و سیاحت کا نتیجہ ہے"

پیامِ مشرق | یہ کتاب بھی فارسی میں ہے اور جرمن شاعر گوئٹے کے "سلام مغرب" کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ گوئٹے نے اپنے دیوان میں اس بات کا ماتم کیا ہے کہ مغرب سے روحانیت جاتی رہی ہے اور مادیت کا زور ہے۔ اور اس نے مشرق سے پیام روحانیت کی توقع کی ہے۔ حضرت علامہ نے مغرب کی خامیاں ظاہر کر کے صحیح راستہ بتایا ہے۔ اور یہ جتلا دیا ہے کہ بغیر روحانیت کے زندگی اعلیٰ مدراج حاصل نہیں کر سکتی۔ اس مجموعہ میں اخلاق معاشیرت اور مذہب کے بہترین اسباق موجود ہیں +

زبورِ عجم | فارسی کلام ہے مشرق کے لئے پیغام بیداری ہے اول تو گذشتہ شان و شوکت کے مطالعہ کی ترغیب دی ہے اور پھر صدیوں کے سوئے ہوئے مشرق کو کھوئی ہوئی عظمت حاصل کرنے کے لئے زندگی کا سبق دیا ہے سارا کلام راگ اور نغمہ کی جان ہے۔ اس لئے دل پر اثر کرنے والا ہے۔

جاوید نامہ فارسی کلام ہے۔ اسے حضرت علامہ کی شاعری کی معراج کہیں تو بالکل بجا ہے۔ جاوید نامہ نے حضرت علامہ کو حیات جاوید بخشی ہے۔ شاعر آسمانوں کی سیر کرتا ہے۔ اور مختلف مقامات پر دنیا کے بڑے بڑے مفکریں اور رہنماؤں کی روحوں سے ملاقات ہوتی ہے ان سے گفتگو ہوتی ہے۔ اور وہی پیغام جو شاعر اب تک دنیا والوں کو پہنچاتا رہا ہے اب اِن روحوں کی زبان سے دنیا کی ہدایت کے لئے پہنچایا جاتا ہے آخر میں حضرت علامہ اپنے صاحبزادے جاوید سلمہٗ کو "خطاب بہ جاوید" کے نام سے ایک پیغام دیتے ہیں۔ جو حقیقت میں ساری نئی پود کے لئے ایک پیغام ہے کیونکہ جوانوں ہی سے حضرت علامہ کی امیدیں وابستہ ہیں۔

خطبات مدراس یہ ان چھ انگریزی لکچروں کا مجموعہ ہے جو مدراس میسور اور حیدر آباد میں حضرت علامہ نے ارشاد فرمائے تھے یہ خطبات علم کلام میں نہایت مفید اضافہ ہیں۔

بال جبریل جو نغمہ فارسی دانوں کے لئے "زبور عجم" میں ہے وہی راگ اردو والوں کے لئے "بال جبریل" میں موجود ہے۔ وہی خودی کا سبق یہاں بھی پڑھایا ہے۔ اور ملت کو ایک مرکز پر جمع ہو جانے کی دعوت دی ہے تاکہ قوت عمل پیدا ہو سکے۔

ضربِ کلیم | موجودہ زمانے کی ناانصافیوں کے خلاف زبردست اعلانِ جنگ ہے کلام میں مذہبیت کا رنگ بہت زیادہ ہے ہر قسم کے مسائل پر کچھ نہ کچھ ارشاد فرمایا ہے

پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق | فارسی زبان میں مثنوی ہے ۔ سیاست اور دین کے معنی سمجھائے ہیں ۔ اور سیاست مغرب کا طلسم توڑ کر مشرق کو بیداری کا پیغام سنایا ہے ۔

مسافر | یہ فارسی مثنوی افغانستان کے سفر کے بعد لکھی گئی تھی ۔

ارمغانِ حجاز | فارسی اور اردو کلام کا آخری مجموعہ ہے حضرت علامہ کو حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد تمنا تھی ۔ کئی مرتبہ ارادہ ہوا لیکن بوجہ علالت سفر نہ ہو سکا یہ تحفہ تاجدار مدینہ کی نذر کے لئے تیار ہو رہا تھا ۔ جو وفات کے بعد شائع کیا گیا ہے +

پیغام اقبال

درس خودی

ایسے شعرا جنہیں فطرت الہٰی کی تفسیر کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے کوئی نہ کوئی پیغام لے کر آتے ہیں ۔ اور ان کے قلوب میں جو کچھ بطور الہام وارد ہوتا ہے اسے شعر کی صورت میں پیش کر دیتے ہیں اور یہی حضرات الشعراء تلامیذ الرحمٰن کہلانے کے مستحق ہوتے ہیں لیکن یہ یاد رہے کہ

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت علامہ کا شمار ان ہی الہامی شعرا میں سے ہے اور وہ خودی کے پیغامبر ہیں ۔ ان کے نزدیک بغیر احساس خودی کے نہ فرد قایم رہ سکتا ہے اور نہ ملت ۔ خودی کیا چیز ہے اس کے متعلق خود حضرت علامہ مثنوی اسرار خودی کے دیباچہ میں فرماتے ہیں ۔ "لفظ خودی کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی غرور استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اردو میں مستعمل ہے ۔ اس کا مفہوم محض "احساس

نفس یا تعیین ذات" ہے ۔ غالباً یہی سبب ہے کہ اِن کے کلام میں مایوسی نہیں پائی جاتی ۔ اِن کے نزدیک خودی ایمان کی پختگی کا نام ہے ۔ جس قدر ایمان مضبوط ہو گا ۔ خودی بھی پائیدار ہوتی جائے گی ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے ۔ کہ آخر مسلمانوں میں احساس خودی مٹ کیوں گیا ۔ اور اب اسے ابھارنے کی ضرورت کیوں پیدا ہوئی ۔ اس سوال کا جواب بھی حضرت علامہ نے ایک گفتگو کے دوران میں دیدیا تھا ۔ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا ۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمانوں کے بزرگ بہت خوددار تھے اور جب وہ اپنی قوت ایمانی کے زور سے قریب قریب ساری دنیا پر چھا گئے ۔ تو اپنی فتوحات پر اترانے لگے اور اِن میں ایک قسم کا اکھڑپن پیدا ہو گیا ۔ مزاج میں سختی پیدا ہو جانا جہانبانی کے لئے کسی حد تک مضر ہے ۔ اِس لئے اس زمانے کے اولیا اور اصفیا نے مسلمانوں کو بے خودی کی تعلیم دینی شروع کر دی تاکہ طبیعتوں میں نرمی پیدا ہو جائے ۔ لیکن آج جب کہ مسلمان بالکل مٹ چکا ہے اسے بے خودی کی نہیں بلکہ خودی کی ضرورت ہے ۔ بے خودی کی ترشی کی ضرورت تو خودی کے نشے کو کم کرنے کے لئے ہوا کرتی ہے ۔ اور جب نشہ ہی نہ ہو ۔ تو ترشی

کھانے سے کیا فائدہ ۔ حضرت علامہ نے یہ بھی فرمایا کہ خدا خود بھی نہیں چاہتا کہ اس کے بندے کی خودی کو ٹھیس لگے ۔ اسی سبب سے اس نے نماز میں رکوع و سجود کی مدت بہ نسبت قیام و قعود کے کم رکھی ہے ۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ خودی کا ایک رقیب بھی ہے جسے ضد اور ہٹ دھرمی کہتے ہیں ۔ اس سے ہمیشہ بچنا چاہیئے ۔ قصور اور غلطی کا اقرار کر لینا ہر حالت میں لازمی ہے اس سے خودی کو نقصان نہیں پہنچتا ؎

خودی کی شوخی و تندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں

جب کوئی قوم عیش و عشرت اور تن آسانیوں میں مبتلا ہو جائے تو غلام بن جاتی ہے ۔ غلامی کی لعنت کو دور کرنے کے لئے احساس خودی کو بیدار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ لیکن جس قدر اس احساس کا بیدار کرنا ضروری ہے اسی قدر اس کا قائم رکھنا بھی لازمی ہے اسے قایم رکھنے کا صحیح راستہ یہ ہے کہ ہمارے دل ارمانوں اور آرزوؤں سے بھرے ہوئے ہوں تاکہ انہیں پورا کرنے کے لئے ہم ہر وقت سرگرم عمل رہیں ۔ دنیا کی کشمکش سے الگ ہو جانا اسلام کی تعلیم کے منافی ہے ۔ دنیا تو مرد مومن

کے لئے جو لانگاہ ہے ۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں ؎

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

پھر ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے ؎

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

حضرت علامہ نے جس خودی کا درس دیا ہے ۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں ؎

(۱) خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں

(۲) خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

(۳) یہ موج نفس کیا ہے تلوار ہے
خودی کیا ہے تلوار کی دھار ہے

اب ذرا خودداروں کا مقام بھی دیکھ لیجئے ؎

(۱) یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی
تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

(۲) بے ذوقِ نمود زندگی موت
تعمیرِ خودی میں ہے خدائی

(۳) خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

(۴) چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغِ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

اور جب احساسِ خودی مٹ جائے تو کیا ہوتا ہے ؎

(۱) خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام
خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلمان کا جامۂ احرام

(۲) کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

نوجوانوں سے خطاب

مسلمان نوجوانوں کی حالت پہ نظر ڈالئے تو چند خصوصیات نظر آئیں گی۔ مذہب سے قطعی ناواقفیت بلکہ بعض حالات میں نفرت تن آسانی۔ فیشن پرستی۔ اپنی حالت کو درست کرنے کی طرف سے لاپرواہی۔ مغرب کی ہر ادا سے عشق۔ مشرق کی ہر چیز سے نفرت اس حالت سے حضرت علامہ متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتے تھے قوم کی توقعات تو نوجوانوں ہی سے ہوا کرتی ہیں یہ سدھر جائیں تو سارے کام بن جائیں فرماتے ہیں ؎

ترے سوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغنا میں معراج مسلمانی

نوجوانوں کو جو تعلیم آج کل دی جاتی ہے۔ اس سے بھی حضرت علامہ

سخت نالاں ہیں ۔ اس تعلیم کا نہ تو کوئی مقصد ہے ۔ مذہب سے اس نے بیگانہ کر دیا ہے روحانیت کا پتہ نہیں ۔ ہمارا تعلیم یافتہ نوجوان مادیت کا شکار ہے ۔ اور اس میں خود اعتمادی مفقود ہے ۔ حضرت علامہ ان نوجوانوں کے حال زار کو دیکھ کر فرماتے ہیں ؎

(۱) یہ بتاں عصر حاضر کہ بنے ہیں مدرسے میں
نہ ادائے کافرانہ نہ تراش آذرانہ

(۲) شکایت ہے مجھے یارب خداوندان مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

(۳) گلا تو گھونٹ دیا اہل مدرسہ نے ترا
کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

(۴) یہ مدرسہ یہ جواں یہ سرور درعنائی
انہیں کے دم سے ہے میخانہ فرنگ آباد

(۵) زہر اب ہے اس قوم کے حق میں مئے افرنگ
جس قوم کے بچے نہیں خود دار و ہنرمند

(۶) خوش تو ہیں ہم بھی جوانوں کی ترقی سے مگر
لب خنداں سے نکل جاتی ہے فریاد بھی ساتھ
ہم سمجھتے تھے کہ لائے گی فراغت تعلیم

کیا خبر تھی کہ چلا آئے گا الحاد بھی ساتھ

اس شکوہ و شکایت کے بعد نوجوان کو اس کا اصلی مقام دکھاتے ہیں ؎

(۱) تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

(۲) ہے شباب اپنی لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں
جو کبوتر پہ جھپٹنے میں مزا ہے اے پسر
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

(۳) خدا بچھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

(۴) عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

جاوید سلمہ کو ایک خط میں یوں نصیحت کرتے ہیں ؎

اٹھا نہ شیشہ گراں فرنگ کے احساں — سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر
مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے — خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

اور پھر ذرا دیکھئے کیسے درد بھرے دل سے درگاہ خداوندی میں

دعا مانگتے ہیں ؎

جوانوں کو مری آہ سحر دے — پھر ان شاہیں بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے — مرا نور بصیرت عام کر دے
جگر سے وہی تیر پھر پار کر — تمنا کو سینوں میں بیدار کر
ترے آسمانوں کی تاروں کی خیر — زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے — مرا عشق میری نظر بخش دے
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی — خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت علامہ کی آنکھ کا تارا کونسا نوجوان ہے؟ فرماتے ہیں ؎

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری
عجب نہیں ہے اگر اس کا سوز ہے ہمہ سوز
کہ نیستاں کے لئے بس ہے ایک چنگاری
خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کو فقر میں ہے حیدری و کراری

نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلاہی کو
یہ بے کلاہی ہے سرمایہ کلاہ داری

فلسفہ چونکہ قوت عمل کو بیکار بنا دیتا ہے اس لئے حضرت علامہ کے نزدیک نوجوانوں کے لئے وہ غیر مفید ہے فرماتے ہیں ؎

انجام خرد ہے بے حضوری ہے فلسفہ زندگی سے دوری
افکار کے نغمہ ہائے بے صوت ہیں ذوق عمل کے واسطے موت

وہ بار بار اور مختلف موقعوں پر سرگرم عمل رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں - کیونکہ عمل ہی سے افراد اور قومیں بنتی ہیں ؎

(۱) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(۲) کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

ایک سرگرم عمل مومن کی شان زندگی کے مختلف مدارج اور مواقع میں کیا ہونی چاہیئے ؟ ارشاد ہوتا ہے ؎

(۱) مصاف زندگی میں سیرت فولاد پیدا کر

شبستان محبت میں حریر و پرنیاں ہو جا
گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستان راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

(۲) آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو
کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفان سے کیا
ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو
وائے نادانی کہ تو محتاج ساقی ہو گیا
مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو

تصوّف

مسلمان کی قوت عمل کو بیکار کرنے میں دور حاضرہ کے خانقاہ نشین صوفی کا بھی بہت بڑا حصہ ہے۔ زمانہ ماضی کے صوفیائے کرام کے حالات پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ انہوں نے خانقاہوں میں بیٹھ کر صرف چلہ کشی ہی نہیں کی بلکہ میدان کارزار میں بھی مردانہ وار اپنے جوہر دکھائے۔ اور اس کے علاوہ اپنے اخلاق

حمیدہ سے بھی بے شمار گمراہوں کو صراط مستقیم پر لا ڈالا۔ حضرت علامہ دور حاضرہ کے صوفیوں سے سخت نالاں ہیں۔ جنہوں نے رہبانیت اور ترک دنیا کی تعلیم سے مسلمان کو مفلوج بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ صوفی کامل وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک و مقدس زندگی کی پوری پوری تقلید کرے۔ مگر ایسے بزرگ عنقا ہیں ؎

نشان راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مرد راہ داں کیلئے

اب تو کیفیت یہ ہے کہ ؎

(۱) تم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے
خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن

(۲) رہا نہ حلقہ صوفی میں سوز مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی
کرے گی داور محشر کو شرمسار اک روز
کتاب صوفی و ملا کی سادہ اوراقی

اس قسم کے پیروں کا "باغی مرید" دیکھئے کیا کہتا ہے ؎

ہم کو تو میسر نہیں مٹی کا دیا بھی

گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
شہری ہو وہابی ہو مسلمان ہے سادہ
مانند بتاں پجتے ہیں کعبے کے برہمن
نذرانہ نہیں - سود ہے پیران حرم کا
ہر خرقہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

حضرت علامہ کے مذہب میں مایوسی گناہ ہے یہاں بھی وہ خدا کے کرم سے مایوس نہیں ہوتے اور فرماتے ہیں ؎

عجب نہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کردیں
شکوہ سنجر و فقر جنید و بسطامی

جذبہ آزادی

بعض کم فہم اور نااہل اقبال کے متعلق یہ خیال رکھتے ہیں کہ وہ ایک خطاب یافتہ "جی حضوری" قسم کے انسان تھے حالانکہ حضرت علامہ کے کلام سے ظاہر ہے کہ اپنے ملک و ملت کی غلامی

کا اِن کے دل پر کیسا اثر تھا ارشاد ہوتا ہے ؎

(۱۱) ملا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

(۱۲) من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

(۱۳) اٹھا نہ شیشہ گراں فرنگ کے احساں
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر

ہم وطنوں کی غلامہ ذہنیت سے تنگ آکر فرماتے ہیں ؎

تھا جو "ناخوب" بتدریج وہی "خوب" ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

پھر خدا سے فریاد کرتے ہیں ؎

لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

غلاموں پر انہیں کوئی بھروسہ نہیں ارشاد ہوتا ہے ؎

(۱۴) بھروسہ کر نہیں سکتے غلامی کی بصیرت پر

کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ بینا ہے
(۲) محکوم کے الہام سے اللہ بچائے
غارت گرِ اقوام ہے وہ صورتِ چنگیز

سرمایہ دار و مزدور

مشین کی دنیا میں غریب مزدور ننگا بھوکا ہے اور سرمایہ دار عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ حضرت علامہ کا دل دکھتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے ؎

نسل۔ قومیت۔ کلیسا۔ سلطنت تہذیب و رنگ
خواجگی نے خوب چن چن کر بنائے مسکرات
مکر کی چالوں سے بازی لے گیا سرمایہ دار
انتہائے سادگی سے کھا گیا مزدور مات

چنانچہ اول تو مزدور کو پیغام دیتے ہیں ؎

بندۂ مزدور کو جا کر مرا پیغام دے
خضر کا پیغام کیا ہے یہ پیام کائنات
اے کہ تجھ کو کھا گیا سرمایہ دارِ حیلہ گر
شاخِ آہو پر رہی صدیوں تلک تیری برات

دست دولت آفریں کو مزدیوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکات

لیکن جب دیکھتے ہیں کہ نہ سرمایہ دار کے کان پر جوں رینگتی ہے اور نہ مزدو خواب سے چونکتا ہے۔ تو پھر فرشتوں کے نام "فرمان خدا" جاری ہوتا ہے ؎

اٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماؤ غلاموں کا لہو سوز یقین سے
کنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
حق را بسجودے صنماں را بطوافے
بہتر ہے چراغ حرم و دیر بجھا دو

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو
تہذیب نوی کارگہ شیشہ گراں ہے
آداب جنوں شاعر مشرق کو سکھا دو

وطنیت و قومیت

قومیت کے متعلق یورپ کا یہ سیاسی نظریہ کہ قوم وطن سے بنتی ہے۔ اسلامی تعلیم کے سراسر منافی ہے۔ جن حضرات نے یورپ کے مکتب سیاست سے سبق لیا ہے۔ انہوں نے ہز ماسٹرس وائس رکارڈ کی طرح ہندوستان میں بھی یہ راگ الاپنا شروع کیا ہے کہ "اس زمانے میں قومیتیں اوطان سے بنتی ہیں۔ مذہب سے نہیں بنتیں"۔ یورپ نے اسی سیاسی نظریہ کی تبلیغ کرکے اسلامی قومیت کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اور نسلی و وطنی امتیاز کی بنا پر مسلمان کو مسلمان سے لڑا دیا۔ چنانچہ کہیں عرب کو ترک سے بھڑا دیا۔ کبھی ایران و افغانستان کو لڑایا غرض اس وطنی تعصب کے سبب مسلمانوں کی اجتماعی قوت

آپس میں ٹکرا کر تباہ ہو گئی ۔ جب آزاد قومیں اس افسوں سے
نہ بچ سکیں ۔ تو غلام کہاں بچ کر جا سکتے تھے ۔ چنانچہ ہندوستان
میں بھی کسی نہ کسی گوشے سے گاہ بگاہ یہ صدائیں اٹھتی رہتی ہیں کہ
سب سے پہلے ہم ہندوستانی ہیں اور بعد میں کچھ اور ۔ اسلامی
ملت جغرافیائی حدود کی پابند نہیں ہے ۔ سیاسی وطنیت کے
متعلق ارشاد ہوتا ہے ؎

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و کرم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آذر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے
ہو قید مقامی تو نتیجہ ہے تباہی
رہ بحر میں آزاد وطن صورتِ ماہی
ہے ترکِ وطن سنتِ محبوبِ الٰہی
دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی
گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے

ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
اقوام جہاں میں ہے رقابت تو اسی سے
تسخیر ہے مقصود تجارت تو اسی سے
خالی ہے صداقت سے سیاست تو اسی سے
کمزور کا گھر ہوتا ہے غارت تو اسی سے
اقوام میں مخلوق خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مذہب کا دائرہ بہر حال وطن سے زیادہ وسیع ہے اور اسی لئے قومیت کی بنیاد مذہب پر رکھنا عین اسلامی تعلیم ہے۔ حضرت علامہ اسی تعلیم کے مبلغ ہیں ؎

(۱) اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
اُن کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
(۲) جو کریگا امتیاز رنگ و بو مٹ جائے گا

تُرک خرگاہی ہو یا اعرابیٔ والا گہر
نسل اگر مسلم کی مذہب پر مقدم ہو گئی
اڑ گیا دنیا سے تو مانند خاک رہگزر

(۳) بتاں رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی و افغانی

پھر دعا کرتے ہیں ؎

نوع انسان قوم ہو میری وطن میرا جہاں
بستۂ رنگ خصوصیت نہ ہو میری زبان

اس سیاسی وطنیت کے متعلق حضرت علامہ کے خیالات دیکھ کر بعض کم نظر لوگوں نے ان پر یہ الزام لگایا ہے کہ ان میں جذبۂ حب الوطنی نہ تھا۔ حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ انسان جس سرزمین میں پیدا ہوتا ہے اس سے محبت ہونا ایک فطری چیز ہے۔ اور اِسی جذبہ کے ماتحت وہ اپنے مقدور بھر وطن کی خدمت اور اس کے لئے قربانیاں اور ایثار بھی کرتا ہے۔ یہ چیز اسلامی تعلیم کے بھی منافی نہیں ہے۔ سیاسی وطنیت اور جذبہ حب وطن میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ حضرت علامہ کے دل میں اپنے وطن کی محبت بدرجہ اتم موجود تھی۔ ذرا ان کی نظم "ہمالہ" کو پڑھیے ؎

اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستان
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسمان
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشان
تو جواں ہے گردش شام و سحر کے درمیان
ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لئے
تو تجلی ہے سراپا چشم بینا کے لئے

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

کبھی دیر و حرم کے جھگڑوں سے تنگ آکر "دنیا شوالہ" تعمیر کرتے ہیں ؎

سچ کہدوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آکے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے

خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے
وطن کی تباہی دیکھ کر تڑپ جاتے ہیں ؎

رُلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستان مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے ترا فسانہ سب فسانوں میں
وطن کی فکر کر ناداں مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ذرا چشم شاعر کی عبادت بھی ملاحظہ ہو ؎

تھے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
عبادت چشم شاعر کی ہے ہر دم باوضو رہنا

کبھی جوش میں آکر فرماتے ہیں ؎

ہویدا آج اپنے زخم پنہاں کرکے چھوڑونگا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کرکے چھوڑونگا
پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو
جو مشکل ہے۔ تو اس مشکل کو آساں کرکے چھوڑونگا

اور اگر غداران وطن کا حشر دیکھنا ہے تو "حبا دیدنامہ" میں فلک

زحل پر پہنچ جائیے اور ملک و ملت کے دو غداروں کا حال دیکھ لیجئے ؎

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن

یہ وہ میر جعفر ہے جس نے نواب سراج الدولہ سے غداری کی اور وہ صادق دکنی جس نے ٹیپو سلطان سے نمک حرامی کی اور ملک و ملت کے گلے میں طوق غلامی ڈلوایا۔

اور اگر اب بھی اقبال کی حب وطن میں آپ کو شک ہے تو "ضرب کلیم" اٹھایئے اور "محراب گل کے افکار" ملاحظہ فرمایئے ؎

میرے کہستاں تجھے چھوڑ کے جاؤں کہاں
تیری چٹانوں میں ہے میرے اب وجد کی خاک
روز ازل سے ہے تو منزل شاہیں چرخ
لالہ و گل سے تہی نغمۂ بلبل سے پاک!
تیرے خم و پیچ میں میری بہشت بریں
خاک تری عنبریں آب ترا تابناک!
باز نہ ہوگا کبھی بندۂ کبک و حمام
حفظ بدن کیلئے روح کو کردوں ہلاک!
اے مرے فقر غیور فیصلہ ترا ہے کیا

خلعت انگریز یا پیرہن چاک چاک

ذرا اس آخری مصرعہ ہی کو بار بار پڑھیے اور غور کیجئے کہ اس کا کہنے والا اپنے وطن کی محبت میں کیسا سرشار ہے۔

اب بھی اطمینان نہ ہو تو۔ "ارمغان حجاز" میں "بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو" پڑھیے۔

ہو تیرے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس دشت سے بہتر ہے نہ دلی نہ بخارا
جس سمت میں چاہے صفت سیل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے وہ صحرا بھی ہمارا

اپنے ملک اور قوم کو غلامی اور محکومیت میں مبتلا دیکھ کر ایک سچا محب وطن ہی ایسی "صدائے غیب" سن سکتا ہے کہ ؎

نے نصیب مارو کژدم نے نصیب دام و دد
ہے فقط محکوم قوموں کے لئے مرگ ابد!
بانگ اسرافیل ان کو زندہ کر سکتی نہیں
روح سے تھا زندگی میں بھی تہی جنکا جسد
مر کے جی اٹھنا فقط آزاد مردوں کا ہے کام
گرچہ ہر ذی روح کی منزل ہے آغوش لحد

اور جب یہ محکوم مر کر قبر میں جاتا ہے تو قبر اس سے کیا کہتی ہے ذرا غور کیجئے ؎

آہ ظالم! تو جہاں میں بندۂ محکوم تھا ؟
میں نہ سمجھی تھی کہ ہے کیوں خاک میری سوزناک
تیری میت سے مری تاریکیاں تاریک تر
تیری میت سے زمیں کا پردہ ناموس چاک!
الحذر محکوم کی میت سے سو بار الحذر
اے سرافیل! اے خدائے کائنات! اے جانِ پاک

یہ افکار اس بات کی روشن دلیل ہیں کہ حضرت علامہ اپنے وطن کی محبت میں سرشار تھے اور ملک و قوم کی غلامی ان کے قلب پر شاق تھی۔

تہذیب مغرب

ہندوستان کے نوجوان پر اور خصوصاً مسلمان نوجوان پر مغربی تہذیب کا بھوت بری طرح سوار ہے۔ مغربی تہذیب کی نئی روشنی نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ اس مغرب زدہ نوجوان کی مثال بالکل اس پروانہ کی ہے جو بجلی کے جگمگاتے

ہوئے قمقمے کے گرد دیوانہ وار چکر لگا لگا کر اپنی جان دیدیتا ہے۔
اکبر الہ آبادی نے اپنے مخصوص ظریفانہ انداز میں مغرب کی کورانہ
تقلید کے خلاف آواز اٹھائی۔ اور خوب داد سخن دی۔ اکبر نے
ہنس کر اور ہنسا کر قوم کو گمراہی سے بچایا۔ اور مغرب زدہ
مشرقیوں کے دلوں میں خوب خوب چٹکیاں لیں۔

اب حضرت علامہ کی باری آئی۔ تو ان کی چشم بصیرت نے
تاڑ لیا کہ تہذیب مغرب کا طلسم اس کی ظاہری آرائش زیبائش
اور سطحی شان و شوکت میں مضمر ہے۔ اور اسی نے اہل مشرق کو
مرعوب کر دیا ہے۔ یہ طلسم توڑا جائیگا تو حقیقت آشکارا ہو جائیگی
اور دلوں سے رعب اٹھ جائے گا فرماتے ہیں ؎

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہی زر کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

وہ حسن فرنگ کے دھوکے سے آگاہ کرتے ہیں ؎

گرچہ ہے دلکشا بہت حسن فرنگ کی بہار
طائر بلند بال دانہ و دام سے گذر

پھر فرماتے ہیں ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف

وہ جانتے ہیں کہ مغرب کے آزادی و حریت اور مساوات کے ترانے حقیقی نہیں ہیں بلکہ دوسروں کو سلانے کے لئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے ؎

تیرے پیمانوں کا ہی یہ اے مئے مغرب اثر
خندہ زن ساقی ہی ساری انجمن مدہوش ہی

کہیں ارشاد ہوتا ہے ؎

حرارت ہی بلا کی بادۂ تہذیب حاضر میں
بھڑک اٹھا بھبوکا بن کے مسلم کا تن خاکی
کیا ذرہ کو جگنو دیکے تاب مستعار اس نے
کوئی دیکھے تو شوخی آفتاب جلوہ فرما کی
نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی یہ بیداری یہ آزادی یہ بیباکی
کیا گم تازہ پروازوں نے اپنا آشیاں لیکن
مناظر دلکشا دکھلا گئی ساحر کی چالاکی

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت خود فروشی ناشکیبائی ہوسناکی

جاوید کو نہیں بلکہ جاوید کے پردہ میں نوجوانوں کو نصیحت فرماتے ہیں ؎

اٹھا نہ شیشہ گران فرنگ کے احسان
سفال ہند سے مینا و جام پیدا کر

کبھی خدا کے حضور میں لینن کی زبان سے کہلواتے ہیں ؎

یورپ میں بہت روشنیٔ علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات!
یہ علم یہ حکمت یہ تدبر یہ حکومت!
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بیکاری و عریانی و میخواری و افلاس
کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات

مغربی تہذیب کے اثرات کیا ہوتے ہیں ذرا غور کیجئے ؎

فساد قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف
رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف!

سیاست فرنگ

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آج یورپ نے تمام عالم کو اپنی سیاست کے جال میں پھانس رکھا ہے جس کا ظاہر نہایت خوش نما اور دل کش ہے۔ لیکن باطن حد درجہ مکروہ ہے۔ اور اس جال میں گرفتار ہونے والوں کا بقول کسی دل جلے کے یہ حال ہے کہ ؎

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

حضرت علامہ نے بار بار مغربی سیاست کے طلسم سے مشرق کو آگاہ اور متنبہ کیا ہے فرماتے ہیں ؎

تری حریف ہے یارب سیاست افرنگ
مگر ہیں اس کے پجاری فقط امیر و رئیس!
بنایا ایک ہی ابلیس آگ سے تو نے
بنائے خاک سے اس نے دو صد ہزار ابلیس!

ایک دوسرے مقام پر ابلیس کا فرمان اپنے سیاسی فرزندوں

کے نام" اس طرح جاری ہوتا ہے :—

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زناریوں کو دیر کہن سے نکال دو
وہ فاقہ کش کہ موت اسے ڈراتا نہیں ذرا
روح محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکر عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملّا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہل حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزار ختن سے نکال دو
اقبال کے نفس سے ہے لالہ کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو

آپ ذرا غور و تدبر سے کام لیں تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ ابلیس کے سیاسی فرزند حقیقت میں بڑے فرمانبردار ہیں اور اس کے فرمان کی حرف بحرف تعمیل ہو رہی ہے۔ انہیں فرزندان ابلیس نے جمعیت اقوام کا جال جینوا میں بچھایا ہے۔ تاکہ دنیا

میں امن قایم کریں ۔ لیکن دنیا جانتی ہے کہ ابی سینیا کو مسولینی نے ہضم کر لیا ۔ چین پر جاپان نے بے پناہ مظالم توڑ رکھے ہیں ۔ ہسپانیہ میں خانہ جنگی نے کیا کرد کھایا لیکن جمعیت اقوام بیچاری ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم ۔ اب اس جال کے پھندے بھی فرسودہ ہو چکے ہیں ۔ حضرت علامہ نے اس کے متعلق بھی پیش گوئی کر دی تھی ؎

بیچاری کئی روز سے دم توڑ رہی ہے
ڈر ہے خبر بد میرے منہ سے نہ نکل جائے
تقدیر تو مبرم نظر آتی ہے ولیکن
پیران کلیسا کی دعا یہ ہے کہ ٹل جائے
ممکن ہے کہ یہ داشتہ پیرک افرنگ
ابلیس کے تعویذ سے کچھ روز سنبھل جائے

دنیا میں امن جمعیت اقوام سے قایم نہیں ہو سکتا ۔ امن کے قیام کی صرف ایک تدبیر ہے اور وہ وہی ہے جو اسلام نے پیش کی ہے کہ وطن و ملک اور نسل و رنگ کا امتیاز دور کر کے ایک جمعیت آدم قایم کی جائے ۔ حضرت علامہ کا ارشاد ہے ؎

تفریق ملل حکمت افرنگ کا مقصود
اسلام کا مقصود فقط ملت آدم
مکے نے دیا خاک جینوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم؟

اسی سیاست کا تراشا ہوا ایک بت ہے جسے "شاہ" کہتے ہیں اگر آپ ملوکیت کے اسرار سے واقف ہونا چاہتے ہیں تو "معزول شہنشاہ" کے نام حضرت علامہ کی مبارک باد ملاحظہ فرمایئے ؎

ہو مبارک، اس شہنشاہ نکو فرجام کو
جس کی قربانی سے اسرار ملوکیت ہیں فاش
"شاہ" ہے برطانوی مندر میں ایک مٹی کا بت
جسکو کر سکتے ہیں جب چاہیں پجاری پاش پاش
ہے یہ مشک آمیز افیون ہم غلاموں کیلئے
ساحر انگلیس! مارا خواجۂ دیگر تراش!

خاتونِ مشرق

حضرت علامہ نے سنہ ۱۹۳۳ء میں ایک مضمون انگلستان کے اخبار لورپول پوسٹ اینڈ مرکری میں شائع کرایا تھا جس میں مشرقی و مغربی خاتون کی سماجی حیثیت کو واضح کیا گیا تھا۔ اس مضمون کا ترجمہ ہندوستان کے اخبارات نے بھی شائع کیا تھا۔ جسے ہم نقل کرتے ہیں: ــــ

میں اس موضوع پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کہ مشرق میں عورت کی پوزیشن کیا ہے اور خواتین مغرب کے مقابلہ میں ان کی حیثیت کیا ہے۔ لندن کے گلی کوچوں میں مجھے بے شمار ایسی باتیں نظر آرہی ہیں۔ جو اہل لندن کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ حقیقت شناس نگاہیں ان امور و حقائق کو فوراً پہچان لیتی ہیں جن لوگوں کو ایک طویل عرصہ کی غیر حاضری کے بعد یہاں آنے کا اتفاق ہوا ہے اُن کے نزدیک ان کی حیثیت مقابلتہً تعجب انگیز اور حیرت افزا ہے۔

میں اس بات پر حیران ہوں کہ صنفِ نازک کو مغرب میں جو خاص امتیاز حاصل تھا وہ بتدریج کم ہو رہا ہے۔ اب مرد اپنی نشستوں

کو مستورات کی خاطر خالی نہیں کرتے اور اگر کبھی کرتے بھی ہیں تو بہت کم ۔ موٹر کاروں سے اترتے وقت انہیں اس بات کا خیال نہیں کہ مستورات پہلے اتریں ۔ اور مرد بعد میں ۔ مردوں کا طرز عمل میرے نزدیک قابل مذمت نہیں اس لئے کہ یہ عورتوں کا خود پیدا کردہ ہے انہیں کامل آزادی اور مردوں کے ساتھ مساوات کا جنون لاحق ہو گیا تھا ۔ اس لئے جو تبدیلی بھی رونما ہوئی ہے ۔ وہ حالات گردوپیش کا لازمی نتیجہ ہے ۔ جس سے مفر کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ۔

اس مقام پر یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی خواتین بالخصوص اسلامی صنف نازک کے اوضاع و اطوار اور ان کے ساتھ مردوں کے سلوک کی بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جائے ۔ یورپین خواتین اپنی رضا و رغبت سے اس بلند معیار سے بہت نیچے اتر آئی ہیں جس پر وہ ایک زمانہ میں بصد جاہ و جلال متمکن تھیں ۔ لیکن بمقابلہ اس کے مشرقی یا اسلامی خواتین کو سابقہ اعزاز و احترام بدستور حاصل ہے ۔

یورپ آج بھی اس دھن میں مبتلا ہے کہ ترکی خواتین کو ترکی معاشرت میں کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے ۔ دراصل مصیبت یہ ہے کہ وہ ہماری طرز بود و ماند سے ناآشنا ہیں ۔ اور انہوں

نے پردہ کی حقیقت کو آج تک نہیں سمجھا پردہ کا سبب یہ نہیں کہ مردوں کے اخلاق خراب ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت فاطر السّموات والارض کی مقدس ترین مخلوق ہے اور اس کا جنسی تعلق اس امر کا متقاضی ہے کہ اسے اجنبی نگاہوں سے بہر نوع محفوظ رکھا جائے۔ عربی زبان میں لفظ حرم کے معنی ہیں پاک اور مقدس سرزمین کے جس کو اغیار و اجانب کی مداخلت سے ملوث نہیں کیا جا سکتا۔

پردہ کے اور بھی اسباب و وجوہ ہیں لیکن ان کا تعلق علم الحیات سے ہے۔ اس لئے اس موقع پر مفصل بحث کی گنجائش نہیں میں صرف یہ بتا دونگا کہ اس رواج کی حقیقی بنیاد اساس کیا ہے دنیا میں عورت ایک بہت ہی عظیم الشان ذریعۂ تخلیق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ دنیا کی تخلیقی قوتیں مستور و محجوب ہیں مشرقی عورت کا اعزاز و احترام ہی پردے میں مضمر ہے۔ صدیوں سے اس دستور میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ بلکہ عورتوں کو اجنبیوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط سے ہمیشہ منع کیا جاتا رہا ہے۔ قرآن پاک میں عورتوں کی علیحدگی کیلئے متعدد اصول بیان کئے گئے ہیں۔ پردہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ ایک پابندی یہ بھی ہے کہ جب کبھی مردوں

اور عورتوں کو ایک دوسرے کے روبرو ہونے کا اتفاق ہو تو ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے سے قطعی احتراز کریں ۔ اگر تمام دنیا اس پر کاربند ہو جائے تو پھر مروّجہ حجاب کی ضرورت نہیں ۔ ہندوستان اور بعض اسلامی ممالک میں بیشمار عورتیں برقعہ استعمال نہیں کرتیں ۔ دراصل برقعہ دل کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے اور اس کیفیت قلب کو تقویت دینے کے لئے بعض عملی مثالوں کی ضرورت ہے جو ہر ملک اور ہر قوم کی انفرادی حالات پر موقوف ہیں ۔

حرم کے خلاف بھی بے شمار اعتراضات کئے جاتے ہیں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حرم صرف ملوک و سلاطین کے لئے مخصوص ہے جب میں عورتوں کا ذکر کرتا ہوں تو آپ لوگوں کو تعدد ازدواج کا خیال ضرور آتا ہوگا ۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام میں تعدد ازدواج کو جائز قرار دیا ہے یہ کھلم کھلا زناکاری کے انسداد کا ایک موثر علاج ہے ۔ وحدت ازدواج ہمارا اور آپ کا مطمح نظر ہونا چاہیئے لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس طرح عورتوں کی کثرت کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا ۔

قرون وسطی میں یورپ نے وافر عورتوں کو جذب کرنے

کیلئے بعض خاص خانقاہیں اور عبادت گاہیں کھول دی تھیں لیکن یورپ میں آج اس عمل کا اعادہ بھی ناممکن ہوگیا ہے نام نہاد صنعتی انقلاب نے مردوں اور عورتوں میں تعدد ازدواج کی خلاف درزی کے جذبات پیدا کردیئے ہیں لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ معاشرتی مصائب بدستور موجود ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف تعدد ازدواج ہی جملہ امراض عالم کا موثر مداوا ہے بلکہ میں اس خیال سے لرزہ براندام ہوجاتا ہوں کہ عورتیں اپنے قوت لایموت کا خود بندوبست کریں۔ اس طرز عمل سے نسائیت کا جوہر تباہ دبرباد ہوجائے گا۔

بہرحال اسلام میں تعدد ازدواج کا اصول کوئی استمراری اور دائمی اصول نہیں۔ فقہ اسلام کے بموجب حکومت وقت ہی اس قانونی پابندی کو منسوخ کرسکتی ہے جس سے معاشرتی خرابیاں پیدا ہونے کا احتمال ہو۔ فقہ اسلام کی رو سے طلاق کے بعد بھی عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے حقوق کی نگہداشت اور دیکھ بھال کرے وہ اپنے نام پر تجارت اجارہ اور قانونی چارہ جوئی کا ہر کام کرسکتی ہے۔

انہیں فقہائے اسلام کا یہ فیصلہ بھی ہے کہ اسے بحیثیت

خلیفہ اسلام بھی منتخب کیا جاسکتا ہے۔ مقررہ جہیز کے علاوہ خاوند پر نفقہ کا مہیا کرنا بھی فرض ہے۔ اور عورت اس حق کے حصول کی خاطر خاوند کی تمام جائیداد پر قابض ہو سکتی ہے

اسلام میں طلاق بھی خالی از دلچسپی نہیں۔ مسلمان عورتوں کو طلاق کا حق بھی بعینہ اسی طرح حاصل ہے جس طرح خاوند کو ہے اسلامی قانون کے مطابق اس حق کو حاصل کرنے کے لئے عورت بوقت نکاح اپنے باپ بھائی یا کسی غیر شخص کو نامزد کر سکتی ہے مذہبی اصطلاح میں اس کا نام تفویض ہے۔ یعنی انتقال اختیارات۔ آخر اس طرز حفاظت میں اس پیچیدگی کی ضرورت کیوں پڑی۔ میں اس توجیہہ کو فقہائے یورپ کی فہم و فراست کے لئے چھوڑتا ہوں"۔

حضرت علامہ عورت کے لئے ایسی تعلیم و تہذیب گوارا نہیں کرتے جو اس کی نسوانی خصوصیات کا خاتمہ کر دے فرماتے ہیں ؎

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انساں کیلئے اسکا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن

کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

حضرت علامہ نے ظریفانہ انداز میں عرصہ ہوا خاتون مشرق کے متعلق چند پیشن گوئیاں کی تھیں انہیں غور سے مطالعہ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ کس حد تک وہ پوری ہوئیں فرماتے ہیں ؎

لڑکیاں پڑھ رہی ہیں انگریزی — ڈھونڈلی قوم نے فلاح کی راہ
روش مغربی ہے مدِ نظر — وضع مشرق کو جانتے ہیں گناہ
یہ ڈراما دکھائیگا کیا سین؟ — پردہ اٹھنے کی منتظر ہے نگاہ

پھر ایک اور موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے ؎

یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوشمند
عزت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہیگی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لئے ووٹ چاہیگی

عورت کو وہ اللہ تعالیٰ کی مقدس ترین مخلوق بتاتے ہیں اور اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اسکی
کہ ہر شرف ہے اسی دُرج کا دُرِ مکنوں

لیکن تہذیب حاضرہ کی آزادیِ نسواں کے متعلق فرماتے ہیں ؎

کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش
مجبور ہیں معذور ہیں مردانِ خردمند
کیا چیز ہے آرایش و قیمت میں زیادہ
آزادیِ نسواں کہ زمرد کا گلوبند؟

سطورِ بالا میں حضرت علامہ مرحوم و مغفور کی تعلیمات کے صرف چند پہلو واضح کرنیکی کوشش کیگئی ہے اب اس باب کو حضرت علامہ کی ایک نظم پر ختم کیا جاتا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو سکے کہ اس "بندہ حق بیں" "حق اندیش" نے اپنی ذات پر خود کیا تبصرہ کیا ہے ؎

فطرت نے مجھے بخشے ہیں جوہر ملکوتی

خاکی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
درویش خدا مست۔ نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہاں نہ سمرقند
کہتا ہوں وہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
نے ابلۂ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند
مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہ دماوند
ہوں آتش نمرود کے شعلوں میں بھی خاموش
میں بندۂ مومن ہوں نہیں دانۂ اسپند
پرسوز و نظر باز و نکو بین و کم آزار
آزاد و گرفتار و تہی کیسۂ و خورسند
ہر حال میں میرا دل بے قید ہے خرّم
کیا چھینے گا غنچے سے کوئی ذوق شکر خند
چپ رہ نہ سکا حضرت یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا مُنہ بند

ماتمِ اقبال

۷۸۶

حضرت علامہ کی وفات حسرت آیات پر شعرا نے بے شمار تاریخیں اور ماتمی نظمیں کہیں اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر مرتب ہو جائے یہاں صرف چند نظمیں اور تاریخیں درج کی جاتی ہیں ۔

ماتم اقبال

رضا علی صاحب وحشت

یہ نہ کہ اک شاعر ہندوستان جاتا رہا
پیشوائے نکتہ سنجانِ جہاں جاتا رہا

باعث ماتم زمانے کو ہے موت اقبال کی
کا رواں رویا کہ میرِ کا رواں جاتا رہا

اب کہاں سے لائیگا کوئی حقیقت بیں نظر
آہ اسرارِ خودی کا رازداں جاتا رہا

آشنا بانگِ درا سے ہوگا اب کیا گوشِ قوم
مجلسِ اسلامیاں کا نوحہ خواں جاتا رہا

قصۂ ماضی میں تحریک عمل باقی نہیں
اب سنیں کیا ہم کہ لطف داستاں جاتا رہا

نالۂ غم میں وہ کیفیت نہ پائی جائیگی
آج ذوقِ شیوۂ آہ و فغاں جاتا رہا

اب زبان خامہ پر پڑ ہی گئی مہرِ سکوت
وحشتِ رنگیں بیاں کا قدرداں جاتا رہا

انقلاب

آہ سر محمد اقبال مرحوم

سید دلبر حسن مسحور بی اے

اے کہ تو پیکر نگارِ فطرتِ معصوم تھا — تیری پیشانی پہ سرِ زندگی مرقوم تھا
افتخارِ ایشیا! صد نازشِ ہندوستان — اس پریشانی میں تھا تو دولتِ اسلامیاں
دوڑتا تھا تیری رگ رگ میں لہو اسلاف کا — تو مرقع تھا جہاں میں ثیربی اوصاف کا
آتشیں نغموں نے تیرے آگ تن میں پھونک دی — روح آزادی کے مردہ وطن میں پھونک دی
آہ! اب تیری جہاں میں نغمہ پیرائی نہیں — ملت مجبور کی تجھ تک پذیرائی نہیں
رو رہی ہے ملتِ مرحوم اب تیرے لئے — اور ہے افسردہ و مغموم اب تیرے لئے
ہے یہی مسحورِ غم آگاہ کی حق سے دعا — تیری تربت پر ہو ظلِ تاجدارِ ھل اتیٰ

رحمتوں کی تیرے مرقد پر فراوانی رہے
تا قیامت بارشِ انوارِ یزدانی رہے

اقبالؒ کی یاد

میر ولی اللہ صاحب ایبٹ آباد

تاریک ہو گیا ہے ہندوستاں ہمارا
وقفِ خزاں ہوا ہے یہ گلستاں ہمارا

خورشیدِ علم و دانش مٹی میں چھپ گیا ہے
کرتا ہے اب زمیں پر رشکِ آسماں ہمارا

کہتے ہیں موتِ عالِم، ہوتی ہے موتِ عالَم
سویا ہے اک لحد میں سارا جہاں ہمارا

دانندۂ رموز و اسرارِ کن فکاں تھا
چھینا گیا ہے ہم سے وہ نکتہ داں ہمارا

مغرب کو دے سکے گا کون اب پیامِ مشرق
اب کون بن سکے گا نامہ رساں ہمارا

ضربِ کلیم اس کی ہر جنبشِ قلم تھی
سیراب تھا اسی سے بستاں جہاں ہمارا

جبریل کے پروں سے پہنچا وہاں وہ جا کر
پہنچے جہاں نہ ہرگز وہم و گماں ہمارا

جاوید نامۂ دل اس کا ہر اک اشارہ
اس کا ہر اک اشارہ رازِ نہاں ہمارا

شکوے ہمارے کرجاتا تھا وہ خدا تک
اب واں پہنچ سکیں ہم۔ یارا کہاں ہمارا

ہر ایک لفظ اس کا زادِ رہ مسافر

پرخوف وادیوں میں وہ پاسباں ہمارا
اقبال کا ترانہ بانگ درا گویا
کیونکر ہو جادہ پیما اب کارواں ہمارا

یادِ اقبال

منوہر لال ہادی

آہ اے اقبال اے ہندوستان کے رہنما
کاروان قوم کے سارے جہاں کے رہنما!
یاد آتی ہیں تری رنگیں نوائیں آہ آہ
خواب بن کر رہ گئیں تری صدائیں آہ آہ
کیا ہوا بزم جہاں میں گر نہیں موجود تو
نام دنیا میں ترا ورد زباں ہے چار سو
موت کیا ہے! صورت ظاہر کا چھپ جانا کہیں
اس سے ہو جاتے ہیں لیکن جوہر شاعر مبیں
موت پاکر جاودانی ہو گئی ہستی تری
موت نے پیغام تیرا کر دیا ہے سرمدی
روز و شب پیغام آزادی ہمیں دیتا ہے تو

اب بھی کشتیٔ قوم کی گرداب میں کھیتا ہے تو
تو پڑھاتا ہے ہمیں اب بھی وہی درسِ خودی
سونپ دی تدبیر کو تو نے عناں تقدیر کی
رہنمائے نوعِ انساں اب بھی تیرا فلسفہ
ہے جہاں میں جادۂ روشن برائے ارتقا
اب بھی کرتی ہے تری تعلیم دل پُر دفنوں
چند لمحوں میں الٹ جاتی ہے تقدیر نگوں
کھول دیں گے اک زمانے پر خودی کا راز ہم
بس کہ ہیں گرمِ عمل سن کر تری آواز ہم

بکھیل

نغمۂ اقبال

ہربنس لال نسیم

مبارک تجھ کو اے اقبال ذوقِ زمزمہ خوانی
فروغِ محفلِ ملت ہے تیری شعلہ افشانی
فضائے اوجِ انسانی پہ تو آباد ہے گویا
غلامی کے جہاں کا طائرِ آزاد ہے گویا
سوادِ ہند میں چھیڑا ربابِ دل نشیں تو نے

دیا دنیا کو پیغام محبت آفریں تو نے
تیری تخئیل نے مردہ دلوں کو زندگی بخشی
جبین درزہ ناچیز کو تابندگی بخشی
وہ تیرا نغمہ رنگیں نشاطِ روح کا ساماں
مجسم رقص و موسیقی سراپا شعلہ لرزاں
ترا نغمہ جنود ہند کو ہے درس بیداری
خرام موج آزادی پیام اوج خودداری
ترا نغمہ عدو کے مکر کو بیکار کرتا ہے
جوانانِ وطن کو خواب سے بیدار کرتا ہے
فضائے روح پرور چھا یا سحاب زندگی بن کر
گیا ہر باغ ملت میں شباب و تازگی بن کر
عراق و ہند سب گرما گئے تیری نواؤں سے
عرب سے تا عجم چھائے ہوئے ہیں زمزمے تیرے
حجازی نغمہ کی لہریں ہیں بھارت کی ہواؤں میں
ہے بوئے گلشن بطحا ہمالہ کی فضاؤں میں

آہ اقبال

زیب عثمانیہ بیگم صاحبہ

کاشانۂ ہستی سے اقبال ہوا راہی
فطرت نے بلا بھیجا فطرت کا نمایندہ
ممکن نہیں گردوں سے اب اس کی تلافی ہو
ملت مری کھو بیٹھی جو گوہر تابندہ
ہستی کے نشیبوں سے صدیوں نہیں مل سکتے
وہ عشق فلک پیما وہ عقل فرا زندہ
تاروں سے بہت آگے جاتی تھی نظر جس کی
رخصت ہوا گردوں سے وہ کوکب رخشندہ
وہ بندۂ حق آگہ بتلا گیا دنیا کو
بڑھتی نہیں ملت جو باطل سے ہے ترسندہ
رہنے اسے دیتا کیوں وہ محفل امکاں میں
تھا اس کا تخیل جو کونین کا تابندہ
اس بندہ مومن کو فانی نہ سمجھ لے زیب
ایماں ہی تو دنیا میں اک چیز ہے پائندہ

احسان

آہ اِقبال

ناصر

آہ وہ اقبال کا سوز جگر
آہ وہ دین کے شبستاں کا چراغ
آہ وہ شعلہ جو مخفی ہو گیا
کرکے روشن بزمِ ایماں کا چراغ
آہ وہ پر درد و حق آگاہ دِل
تھا جو حکمت کے دبستاں کا چراغ
روشنی لیتا تھا جس کے سوز سے
عشقِ حُرّیت کے ایواں کا چراغ
اے قضا یہ نور چھپنے کا نہیں
گوشۂ دامن سے کیوں ڈھانکا چراغ
بے بصیرت مردہ دل کہتے رہیں
بجھ گیا گورِ غریباں کا چراغ
جاودانی ہے اثر اقبال کا
گل نہ ہوگا اس گلستاں کا چراغ

احسان

آہ سر اقبال

اقبال خانم بنت علی احمد خاں

چھوڑ کر باغ ادب اے بلبلِ ہندوستان
خلد میں تو نے بنایا آج اپنا آشیاں
تیری رحلت کیا کہیں بس خون دل کا کر گئی
موجِ غم سے یہ ہمارے جام جم کو بھر گئی
کونسا نغمہ تھا جو دل میں تڑپتا تھا ترے
طائرِ روح جس سے سینے میں پھڑکتا تھا ترے
طبع تیری قید میں بھی ہر طرح آزاد تھی
شعر کی دنیا تری ہی ذات سے آباد تھی
آہ! متمنی تھا تو دس سال جینے کے لئے
کاش مل جاتا بقا کا آب پینے کے لئے
آہ! تجھ کو خورد سال اولاد کا اپنی خیال
جن کا رہ رہ کر ہمیں بھی آج آتا ہے ملال
کیا ملے تھے لعل یہ تجھ کو یتیمی کے لئے
جن کو چھوڑا تو نے الطاف کریمی کے لئے

سایۂ مادر پدر سے آج وہ محروم ہیں
کس قدر ہائے! تن تنہا تیرے معصوم ہیں
یوں تو اے اقبال ہو سکتی نہیں تیری وفات
تیرے جیسی ہستیوں کے واسطے کب ہے ممات
تو درخشندہ ستارہ تو حلیم و خوش خصال
آج تجھ کو ہو گیا محبوب کا حاصل وصال
دل تڑپتا ہے تری اولاد کمسن کے لئے
لطف ربّ ذوالمنن ساماں کرے انکے لئے
والیٔ بھوپال اے کاش ان کے ہوں مادر پدر
اور دکن کے شہریاران کے لئے ہوں چارہ گر
بس یہی اقبال کی ہے حق تعالےٰ سے دعا
لطف سے اپنے خدا پوری کرے یہ التجا

احسان

اقبال کا مزار

مرتضیٰ احمد خاں

جانب شرق جو ہے مسجد شاہی کا مینار
ایک شب میں نے سنی اس پہ موذّن کی پکار

غلغلہ کلمۂ توحید کا ہوتا تھا بلند
ساتھ ہی نعرۂ تکبیر کی بھی تھی تکرار
وہ یہ کہتا تھا کہ "آرام سے بہتر ہے نماز
وہ صدا دیتا تھا "اے نیند کے ماتو! ہشیار"
اس کی آواز میں اک سوز کی دنیا تھی نہاں
لرزہ انگیز تھی اس مردِ خدا کی للکار
اِس کی لَے سے تھی مرے قلب کی دنیا محرم
اس کی آواز سے تھی میری سماعت حظ دار
اس کی آوازہ گوش سے دل میں اتری
کر گئی روح کے خوابیدہ قوے کو بیدار
جا کے دیکھا تو ملی حضرتِ اقبالؒ کی روح
جس کے پاؤں میں مری جان ہو سو بار نثار
مجھ کو دیکھا تو کہا صرف تحیر کیوں ہے"
اپنے مرنے کا مجھے بھی ہے مکمل اقرار"
"لیکن اس حال میں بھی مرا وظیفہ ہے وہی"
"ہو گیا جس میں مرا جامۂ ہستی صد تار"
"زندگی میں جرسِ قافلہ کہتے تھے مجھے"

اب مؤذن ہوں میں در حلقہ بزمِ ابرار
"ماذنہ مسجد شاہی کا ہے جو کاخِ بلند
دیکھو اس کاخ کے سائے میں بنا میرا مزار

احسان

ماتمِ اقبال

صالحہ بیگم مخفی

السلام اے زندۂ جاوید اقبال السلام
صد مبارک باد تجھ کو گلشن دار السلام
شاعرِ رنگین بیاں ملکِ سخن کے تاجدار
تیرے غم میں ہے دلوں کی مملکت اجڑا دیار
اڑ گیا باغِ جہاں سے طوطیِ شیریں دہن
سوگوار اس کے الم میں کیوں نہ ہوں اہلِ وطن
آہ محفل ہے سلامت گرمیِ محفل نہیں
زندہ ہیں مسلم مگر سینوں میں ان کے دل نہیں
آہ اے اقبال تو تھا وہ درختِ سایہ دار
قوم کو جس نے بنایا قومیت کا مایہ دار
حیف اب خاموش ہیں تیرے لبِ معجز بیاں

کون اب دہرائیگا مسلم کی ماضی داستان
کون مردہ جسم میں پھونکیگا اب روح عمل
کون اب مشکل کرے گا مسلم خستہ کی حل

موت سے وابستہ ہے سب کا نظام زندگی
زیست صبح زندگی ہے مرگ، شام زندگی
رات کو آرام مل سکتا ہے تھک جانیکے بعد
شغل اچھا ہو تو اجر اس کا ہے مرجانے کے بعد
بوئے خوش پھیلی تو ہے گلزار میں وہ گل نہیں
زمزموں کی گونج پیدا ہے مگر بلبل نہیں
زندگی اقبال تیری ہو گئی نذر خزاں
مل گئی تجھ کو مگر اِک زندگی جاوداں
گر رہی ہے دُرّ اشک اپنا ترے اوپر نثار
اور دعا گو حق سے ہے یہ مخفیؔ سینہ فگار
حشر تک تربت پہ تیری بارش انوار ہو
ہم نشیں اندر لحد کے رحمت غفار ہو

مادہ

۵۷ امیر ملت گوہر نگار اقبال ۱۳۵۷ھ

عقیدت کے چند آنسو

خواجہ دل محمد صاحب

(۱)

شاہنشۂ اقلیمِ معانی اقبالؔ دانائے رموزِ آسمانی اقبالؔ
احباب کو مرثیہ پہ اصرار ہے کیوں رکھتا ہے حیاتِ جاودانی اقبالؔ

(۲)

پیغام پہ پیغام چلے آتے تھے انعام پہ انعام چلے آتے تھے
بے تار کا سلسلہ تھا جبریلؑ کے ساتھ الہام پہ الہام چلے آتے تھے

(۳)

اقبالؔ تھا آشفتہ گیسوئے حجاز اقبالؔ شہیدِ تیغِ ابروئے حجاز
مرقد میں بھی انتظار باقی ہے اسے ہونٹوں پہ تبسّم اور منہ سوئے حجاز

(۴)

گفتارِ کلیم ہے کلامِ اقبالؔ پیغامِ حکیم ہے پیامِ اقبالؔ
سرمایۂ جوشِ زندگانی ہے یہی ! گر دل میں ہو سوزِ ناتمامِ اقبالؔ

عقیدت کے پھول

مجید لاہوری

تجھی سے غالبؔ و حالیؔ کی آن باقی تھی مٹے ہوؤں کی زمانے میں شان باقی تھی

ادب کے جسمِ فسردہ میں جان باقی تھی

زمانہ داغ کے ماتم میں سوگوار نہ تھا
خیال میر میں کوئی بھی اشکبار نہ تھا
دلوں میں ذوق کے خم خانے کا خمار نہ تھا

تجھی سے بادۂ اردو ہوا سرور آمیز
تجھی سے گلشنِ معنیٰ و فکر تھا گلریز
سواد فلسفہ تھا تیرے دم سے عنبر بیز

اجل نے شمع بقا کو بجھا دیا آخر
تو آج عالمِ فانی سے چل بسا آخر
دو روزہ زیست کا انجام ہے فنا آخر

ادب کے حق میں قیامت ہی انتقال ترا
لہو رلاتا ہے آنکھوں کو ارتحال ترا
دلوں سے محو نہ ہوگا کبھی خیال ترا

جگر کو "ضربِ کلیمی" گداز کردے گی
"رموزِ بیخودی" دانائے راز کردے گی
کبھی تو "بانگ درا" گرم تاز کردے گی

کبھی تو سعی عمل تیری رنگ لائے گی
کبھی تو اجڑے چمن میں بہار آئیگی
کبھی تو قوم خودی کا سراغ پائے گی

جو آشنا ہو خودی کے پیام سی مشرق
جو فیضیاب ہو تیرے کلام سی مشرق
ہو ہمکنار حیاتِ دوام سے مشرق

مزار اقبال پر

محمد صادق ضیا بی اے ایل ایل بی

آج سے ایک صدی بعد ایک زائر کا تصوّر

آہ اس مدفن کی جانب دل کھچا جاتا ہے کیوں
خود بخود آنکھوں سے پردہ سا اٹھا جاتا ہے کیوں
کون یہ سوتا ہے فرشِ خاک پر زیرِ زمین
اک خموشی ہے مجاور، اور سبزہ ہم نشین!
کون دعوت دے رہا ہے دل کو سوز و ساز کی
بُو کدھر سے آ رہی ہے بوستانِ راز کی
ہاں یہ سنتا ہوں یہاں تھا اک مفکّر باکمال
اک ادیب نکتہ پرور، شاعر نازک خیال
جس کے نغموں پر تھا رقصاں انقلاب زندگی
جس کا اِک اِک لفظ تھا شرحِ کتابِ زندگی
ہاں مجھے کہتے ہیں سارا حال آتا ہے نظر
ہر طرف چھایا ہوا اقبال آتا ہے نظر
یہ اُسی چارہ گرِ ہندوستاں کی قبر ہے

اک ادیب و شاعرِ شیوہ بیاں کی قبر ہے
میری نظریں آشنا ہیں اس کے ارشادات سے
چن چکا ہوں پھول اُس کے خرمنِ جذبات سے
اس فضائے شعریت میں اک سکوں پاتا ہے دل
اب میں سمجھا کس لیئے میرا کھچا جاتا ہے دل
لوتنے لے اقبال وہ پیغام دنیا کو دیا...
از سرِ نو جس نے استحکام دنیا کو دیا
اس قدر اونچا اڑا آخر ترا شاہینِ فکر
ذہنِ انجم میں بھی پیدا ہو گئی تمکینِ فکر
اس طرح "بانگِ درا" سی رہنمائی لوتنے گی
خاک کے ہر ذرہ کی عقدہ کشائی لوتنے کی
اٹھ پھر اے اقبال دنیا پھر تغافل کوش ہے
لو اگر آوازِ فطرت ہی تو کیوں خاموش ہے؟
مضمحل شمعِ وطن کو پھر مذاقِ سوز دے
نغمۂ دوشیں کو اپنے جلوۂ امروز دے...
پھر نیا پہلو بدل دے گردشِ ایام کا
کیف تازہ کر خمارِ ہستیٔ ناکام کا...

شامِ محشر تک بھی تیری یاد جا سکتی نہیں
تیرے احسانوں کو یہ دنیا بھلا سکتی نہیں

مقامِ اقبال

سید اظہر حسن زاہدی بی اے

وفاتِ حضرتِ اقبال وہ مصیبت ہے
کہ سوزِ غم سے نہیں آج کوئی بیگانہ
مجھے یہ خوف ہے شق ہو نہ جائے سینۂ دہر
سنانے کو تو سناؤں میں اس کا افسانہ
نہیں وہ بلبلِ شوریدہ آج نغمہ فروز
ریاضِ شعر و نظر بن گئے ہیں ویرانہ
بکھیر تا نہ وہ کیوں کر لٹائی حکمت
خدا نے اس کو عطا کی نظر حکیمانہ
تڑپ اٹھے سبھی ملا و صوفی و مجذوب
سنا گیا وہ غضب کی حدیثِ رندانہ
بتاوئے ہمیں اسرارِ دو جہاں اس نے
کہ تھا وہ محرمِ رازِ درونِ میخانہ

نہ پوچھ زاہدی خستہ پایۂ اقبال
مقام شوق میں کھویا گیا وہ فرزانہ

مرقدِ اقبال

محمد اشرف خاں عطاؔ

وہ کہ جس کے دم سے تھیں بزمِ خودی کی رونقیں
واقفِ رازِ خودی تھا عاشقِ نامِ رسول

جس نے ملت کے دلوں میں بھر دیا سوزِ بلال
جس نے ملت کو سکھائے زندہ رہنے کے اصول

جس نے ضربِ لا سے توڑا تھا طلسمِ رنگ و بو
جس کو عالمگیر انسانی اخوت تھی قبول

جس نے قلبِ ہند میں پھونکا تھا صورِ انقلاب
جس کا دل تھا قیصریت کے مظالم پر ملول

وہ قلندر جس نے مشرق سے کہا "بیدار ہو"

جس نے ملت سے کہا تقلید مغرب ہی فضول
وہ قلندر جس نے افشا کر دیا سر حیات
آج اسکی قبر پر ہے رحمت حق کا نزول
میں نے کل شب خواب میں دیکھا یہ نظارہ عجیب
عرفی و رومی و خاقانی کھڑے تھے سب ملول
کہہ رہے تھے مرقد اقبال پر مولائے روم
ترک خواب عیش کن اے واقف رمز رسول

قطعہ تاریخ وفات

ڈاکٹر سید عابد حسین

لطف مجلس کیا رہا جب میر مجلس اٹھ گیا
وائے ناکامی کہ بزم اہل دل برہم ہے آج
تھا جہاں کل نغمۂ مستانہ کا جوش و خروش
ہے وہاں آہ مسلسل نالہ پیہم ہے آج
سینۂ مسلم کہ تھا گنجینۂ شوق و امید
ہے وفور یاس اس میں اور ہجوم غم ہے آج
فکر کی جب سال رحلت کی تو دل نے دی صدا

ملت اسلام میں اقبال کا ماتم ہے آج

۱۳۵۷ھ

قطعہ تاریخ

مولانا احسن صاحب مارہروی

زندگی کے پیچھے پیچھے یوں لگی آتی ہے موت
جس طرح ماضی کے بعد آمد ہو استقبال کی
حل ہوں اسرار حیات و مرگ مشکل ہے مگر
عام لفظوں میں یہ ہے تفصیل اس اجمال کی
اس سرائے دہر میں جو آئے گا وہ جائے گا
ہر گھڑی ہے یہ منادی وقت کے گھڑیال کی
پائے گی وہ زندگی دنیا میں کیا پایندگی
جو رہے پابند ہو کر چند ماہ و سال کی
ہاں مگر وہ مرنے والا زندۂ جاوید ہے
جس نے چھوڑیں یادگاریں بہتریں اعمال کی
بہتریں افعال ہوں یا بہتریں اقوال ہوں
ثبت ہے ان پر دوامی مہر استقلال کی
جسم مٹ کر خاک ہو جاتا ہے لیکن روح پاک

مٹ نہیں سکتی کسی خاکستر پامال کی
شاعرِ اقبال مند و سربلند و ہوش مند
دھوم ہے سارے جہاں میں جس کے قیل و قال کی
جس نے پھینکوایا خزف ریزوں کو اور انکی جگہ
لعل و گوہر سے دکان شعر مالا مال کی
اٹھ گیا دنیا سے وہ لیکن نہ اٹھے گی کبھی
دھاک جو بیٹھی ہوئی ہے اس کے استدلال کی
ہے دلیل راہ اس کی شاعری سب کے لئے
پیروی ہوتی رہے گی دہر میں اس چال کی
ہے دعا تربت پر اس کی پھول برساتی رہے
مرحمت اللہ کی الفت رسول و آل کی
کہیئے احسن سال رحلت اور کیا اس کے سوا
ہے زوال علم و حکمت مرگ سر اقبال کی

۱۳۵۷ھ

مزار مقدس عالیجناب سر محمد اقبال لاہوری
۵۷ ہجری ۱۳

قطعہ تاریخ وفات

خواجہ دل محمد صاحب

کون لائے گا اب پیام سروش
شمع خاموش سال ہجری ہے

۱۳۵۷ھ

اے دل! اقبال ہو گیا روپوش
عیسوی، شمع شاعری خاموش

۱۹۳۸ء

ماتم اقبال

حفیظ ہوشیارپوری

رخ مشرق پہ کیوں چھائی ہے ظلمت
یہ کس کی زندگی کی شمع گل ہے
گہن میں آگیا مہر جہانتاب
شبستان خودی کی شمع گل ہے

۱۹۳۸ء

ڈاکٹر سر محمد اقبال بمُرد
۱۳۵۷ ہجری

آہ مفکر اعظم
۱۳۵۷ ہجری

قطعاتِ تاریخ

غلام محمد بسمل

خبرِ موتِ شاعرِ عالی
سال ہجری یہ آہ تم لکھ دو

سن کے بسمل ہوا ہی دل کو ملال
موت علامہ ڈاکٹر اقبال

۱۳۵۷ھ

خبر جب سنے موت اقبال کی
لکھو تم یہ بسمل سن عیسوی

کلیجہ ہو مسلم کا کیوں کر نہ شق
کہ۔ اقبال صاحب تھے تلمیذ حق

۱۹۳۸ء

نظم تعزیت

حضرت ارمان اکبرآبادی

آج کس کو گوشۂ تربت میں سونپا جائیگا
کس مہ تاباں کو مرقد میں اُتارا جائے گا
یہ نظارہ ہائے کن آنکھوں سے دیکھا جائیگا
قوم کا اقبال مٹی میں ملایا جائے گا
موت کو بھی ہے تعجب آج جینے پر ترے

دیکھ کس کی نعش ہے اے قوم کاندھے پر ترے
اے دلوں کی جان۔ اے اقبال اے مطلوب قوم
اے امانت دار دردِ قوم اے محبوب قوم
عارفِ عرفان ملت قائد اسلوب قوم
جذب تیرا وقف ملت دل ترا منسوب قوم
قوم کا طالب بھی تھا اور قوم کا مطلوب بھی
تو مسلمان کے لئے یوسف بھی تھا یعقوب بھی
تیری تربت پر یہ تاریکی ہے توہین لحد
سوز پنہاں سے جلا دے شمع بالین لحد
ترا پہلو اور فشار درد آگین لحد...
اے شہید قوم و ملت توڑ آئین لحد
بے زبانی کی زباں میں دعوت الہام دے
ہاں دہان قبر سے بھی اب کوئی پیغام دے
قوم ہے بے چین الہامی صدا کے واسطے
مضطرب ہے قافلہ "بانگ درا" کے واسطے
ساز ملت پھر ترستا ہے نوا کے واسطے
چھیڑ دے کوئی نیا نغمہ خدا کے واسطے

اب مئے یثرب عجم کے خم سے چھلکائے گا کون
سازِ ہندی پر "حجازی لے" میں اب گائے گا کون

قوم مسلم اف ہے کتنا پر الم منظر ترا
آخری منزل پہ جا کر کھو گیا رہبر ترا
گرد آلود لحد ہے صوفشاں اختر ترا
ملت بیضا شکستہ ہو گیا شہپر ترا
اب کہاں ذروں میں پرواز خیال جبرئیل
اب کہاں سے لائے گی یہ قوم بال جبرئیل

آہ اقبال

اثر چکوالی

ایشیا کا فخر، مشرق کا پیمبر چل بسا
آہ وہ اقبال وہ مردِ قلندر چل بسا
جس کی تابش سے منور تھا جہانِ شاعری
آسمانِ شعر و حکمت کا وہ خاور چل بسا
گرم تھا دل جس کا سوزِ احمدِ مختار سے
اجتہاد و صدق و آزادی کا پیکر چل بسا

جس نے پھونکا ملتِ بیضا پہ افسوں حیات
زندگیٔ جاوداں کا وہ پیمبر چل بسا

ہند کے سارے جواہر جس کے آگے ماند تھے
آہ وہ انمول وہ لاثانی گوہر چل بسا

عشق تھا جس کی نظر میں ملتوں کی زندگی
وہ محیط عشق و الفت کا شناور چل بسا

بام پر جس نے ترقی کے چڑھایا قوم کو
عہد موجودہ کا وہ بے باک رہبر چل بسا

وہ کہ جس کی ہر نوا تجدید شان رفتہ تھی
سیرت بسطامیؒ و بوذرؓ کا مظہر چل بسا

تمام شد

M.D.N.K.